باب 7

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فَاسْئَلُوْا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

ملفوظاتِ نظیریہ (حصہ اوّل)

غوث المعظم رہبر اعظم طریقت نسبت رسولی ﷺ

اعلیٰ حضرت الحاج پیر **نظیر احمد** رحمتہ اللہ علیہ

المعروف بہ سرکار موہڑوی ؒ

تالیف کردہ

زینت الاصفیا الحاج صوفی میاں محمد رشید صاحب

سابق ملٹری اکاؤنٹنٹ جنرل۔حکومت پاکستان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فہرست ملفوظاتِ نظیریہ (حصہ اوّل)

1	ملفوظات کی اہمیت	365	19	طریقت نسبت رسولﷺ	386
2	ملفوظاتِ نظیریہؒ	366	20	طریقت نسبت رسولﷺ اور دیگر	391
3	ترتیب ملفوظاتِ نظیریہؒ	368		سلاسلِ طریقت	
4	آداب ملفوظاتِ نظیریہؒ	369	21	فرقہ بندیوں کا زہر	392
5	پہلی حاضری	370	22	رسول اللہﷺ کا اسوۂ حسنہ	392
6	نیت کی اہمیت	371	23	حقیقتِ انسان	393
7	انسان اور کائنات	372	24	کشف	394
8	دنیاوی زندگی کی حقیقت	374	25	حضور پاکﷺ کا بشر ہونا	395
9	انسانی ہدایت	375	26	مسئلہ علمِ غیب	396
10	نسبت رسولﷺ	375	27	ضرورت شیخ	397
11	بیعت	376	28	مرید اور شیخ	399
12	اعلیٰ حضرتؒ کا مکتوب شریف	378	29	تصّورِ شیخ	400
13	موہڑہ شریف کا مقام	379	30	بیعت اور اس کی اقسام	401
14	مخلوق خدا کی خدمت	379	31	بیعت کا طریقہ	404
15	مقصودِ حیات	380	32	مرید کا خلوص	404
16	مسئلہ ھبوط (حضور اکرمﷺ)	382	33	سلوک	404
17	دینِ اسلام	383	34	ذکر کی اہمیت	407
18	اسلام، ایمان اور نسبت رسولﷺ	384	35	ذکرِ لسانی اور ذکرِ قلبی	408

36	مراقبہ	409
37	مجالسِ ذکر	409
38	اورادشریف نظیریہ	410
39	اورادشریف کے آداب	414
40	تصفیۂ قلب	415
41	قلب کا جاری ہونا	417
42	انسانی نفس اورتزکیۂ نفس	418
43	معرفتِ الٰہی اورمعرفتِ نفس	420
44	کتنی مدت میں ولی اللہ بن سکتا ہے؟	421
45	صوفی یا ولی اللہ کا احتساب	422
46	ولی اللہ کی موت	423
47	موتوا قبل ان تموتوا	424
48	مرزائیوں کا شوقِ تبلیغ	425
49	مرزائیوں سے ایک مناظرہ	426
50	داڑھی کا مسئلہ اورمریدوں کا حال	430
51	رزق مقسوم ہے	432
52	محبت غیرمرئی قوت ہے	432
53	دین اورایمان کی حفاظت	433
54	دینی تعلیم وتربیت کی ضرورت	433
55	دنیاوی عزت اورترقی	435
56	انسان کی اصلی زندگی	436
57	قوتِ اختیار	437
58	ارکان اسلام کا فلسفہ	439
59	عرس شریف کی حقیقت	439
60	عرس شریف کی حاضری	443
61	دعااورتوفیق الٰہی	445
62	عصرِ حاضراورتبلیغ دین	446
63	صراطِ مستقیم	450
64	مسئلہ تقدیراورانسانی عمل	451
65	قرآن مجیداورموجودہ علوم	453
66	تحصیل علم	456
67	مخلوق خدا کی خدمت	458
68	خلفائے دربار کا فرض	460
69	غلط تصوف کا رواج	464
70	جاہل صوفیااورعلمائے سوٗ	465
71	توکل علی اللہ	467
72	ترک دنیااورتارک دنیا	471
73	عصرحاضرمیں مسلمانوں کی زبوں حالی	473
74	قناعت	475
75	حرص دنیا	476
76	شیطان اورنفس امّارہ	477
77	دنیاوی غرض اورقرب ذات کا وسیلہ	479
78	حضرت خضرؑ اورموسیٰؑ کا واقعہ	480
79	بشریت کے معاملات	480

80	دوائی اور شفائے مرض	481
81	بے راہ روی کی اصلاح	482
82	صداقت و کذب	483
83	اللہ کا دروازہ	483
84	ہمہ اوست، ہمہ از اوست اور ہمہ نیست	483
85	ذاتی استعداد	485
86	عیسائیت اور اسلام	486
87	تکوین اور تصرف	487
88	موہڑہ شریف میں سات دن	489
(1)	موتوا قبل ان تموتوا	489
(2)	موجودہ زندگی کی اہمیت	489
(3)	استدراجی علوم	489
(4)	ملا سیف الدین طاہر اور اس کا حسن سلوک	490
(5)	ذات سے طمع	491
(6)	سالک کا فرض	491
(7)	صوفی کا فرض	491
(8)	دینی اختلافات	492
(9)	دعا	492
(10)	قلبی کیفیت	492
(11)	محنت کی بنیاد	492
(12)	خدمت کا صلہ	493
(13)	ضیائے ربانی اور انسان	493
(14)	پیوستگی اور روشنی	493
(15)	صحیح خیال	494
(16)	تعلق باللہ	494
(17)	قلب انسانی	494
(18)	انسانی سمجھ	495
(19)	صحیح رہنما	495
(20)	خدمت خلق	495
(21)	قرب رسول ﷺ اور قرب خدا	496
(22)	استقامت	496
(23)	ماسویٰ اللہ	497
(24)	مراقبہ	498
(25)	فراستِ مومن	498
(26)	چند گزارشات	498
(26.1)	نماز پڑھنے کا طریقہ	498
(26.2)	درود شریف پڑھنے کا طریقہ	498
(26.3)	اوراد شریف کی تعداد	499
(26.4)	مجلس میں پڑھنے کے لئے	499
(27)	خواہش نفس	499
(28)	نسبت رسول ﷺ کا علم	499
(29)	صاحب حال ہونا	500
(30)	کتاب کی پہچان	500
(31)	اسلامی سلطنت (نصرتِ اسلام) کا قیام	500
(32)	قائداعظمؒ سے ملاقات	501
(33)	قوموں کی آزمائش	503

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بزرگانِ دین کے ملفوظات کی اہمیت

بزرگانِ دین کے اقوال وملفوظات ان کے تجربات ومشاہدات کا نچوڑ ہوتے ہیں اور ان میں خاص اثر ہوتا ہے۔ یہ اثر ان کے الفاظ میں ہمیشہ موجود رہتا ہے بعد میں بھی جب لوگ ان کے ملفوظات کا مطالعہ کرتے ہیں وہ ان سے متاثر ہوتے ہیں اور ان کی زندگیوں میں خوشگوار تبدیلی آ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سلوک الی اللہ میں ان کو خاص اہمیت دی گئی ہے۔ اکثر بزرگان نے ان ملفوظات کے نشر واشاعت کے لئے تاکید فرمائی ہے۔

1۔ چنانچہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ نے اپنی کتاب ''انیس الارواح'' میں تحریر فرمایا ہے:

''حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ جب سفر سے واپس ہوئے تو بغداد شریف میں گوشہ نشین ہو گئے اور مجھے ارشاد فرمایا کہ ہم اب کچھ دن یہاں قیام کریں گے اور کہیں نہیں جائیں گے مگر تمہیں بوقت چاشت روزانہ ہماری خدمت میں حاضر ہونا ہوگا تاکہ ہم تمہیں فقر کی ترغیب وتعلیم کرنا سکھلائیں تاکہ وہ ہمارے بعد ہماری یادر ہے اور فرزندان وعزیزان کے لئے چشمۂ فیض جاری رہے۔ سو یہ فقیر حسب فرمان واجب الاذعان خدمت مبارک میں روزانہ حاضر ہوتا اور جو کچھ حضور کی زبان درفشان سے ارشاد ہوتا یہ فقیر اسے قلمبند کرتا جاتا تھا۔ چنانچہ حضور کے وہ ارشادات شریفہ اٹھائیس مجلسوں پر مشتمل ہوئے۔ بتوفیق اللہ تعالیٰ وعنایتہٖ''

مندرجہ تمام ارشادات کتاب ''انیس الارواح'' میں شامل ہیں۔

2۔ محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاءؒ اپنی کتاب '' **راحة القلوب**'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''جب میں پہلی بار حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دل میں خیال کر لیا کہ جو کچھ شیخ الاسلام کی زبان سے سنوں گا اسے قلمبند کرتا جاؤں گا۔ ابھی یہ بات میرے دل میں گزری ہی تھی کہ حضور نے فرمایا کہ اس مرید کے لئے بڑی سعادت ہے کہ جو کچھ اپنے پیر کی زبان سے سنے گوشِ ہوش اس کی طرف لگائے اور اس کو لکھتا جائے۔ ہر حرف کے بدلے ہزار برس کی عبادت کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا ہے اور مرنے کے بعد علّیین میں جگہ پاتا ہے۔''

3۔ مولانا جامیؒ فرماتے ہیں ''ضروری نہیں کہ معشوق کے دیکھنے سے ہی عشق پیدا ہو بلکہ بعض اوقات معشوق کا ذکر سنتے سنتے بھی یہ نعمت حاصل ہو جاتی ہے۔''

4۔ پس اگر کسی کو دولتِ صحبت میسر نہ ہو تو ذکر اذکار و اتباعِ آثار بزرگانِ دین بھی ایک طرح کی صحبت ہی ہے کیونکہ

؎ ذکرِ حبیب کم نہیں وصل ِ حبیب سے

5۔ نیز بزرگانِ عظام کے تذکار میں بے شمار فوائد ہیں:

(1) کسی بزرگ کا ذکرِ خیر اس کی محبت کی دلیل ہے اور محبت محبّ کو محبوب تک پہنچا دیتی ہے۔

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ ﴿الحدیث﴾

(2) محبوبانِ بارگاہ کا ذکر بھی باعث تقرب الی اللہ ہے۔

(3) حسبِ ارشاد **عِنْدَ ذِکْرُ الصّٰلِحِیْنَ تَنْزِلُ الرَّحْمَۃ** یعنی صالحین کے ذکر کے وقت رحمت باری کا نزول ہوتا ہے۔

بہت سے بزرگان کرام کے ملفوظات شائع ہو چکے ہیں اور اصحابِ شوق ان سے استفادہ کرتے ہیں۔

ملفوظاتِ نظیریہؒ

غوث المعظم رہبرِ اعظم طریقت نسبت رسولی ﷺ اعلیٰ حضرت الحاج پیر **نظیر احمد** رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ تعلیم یہ تھا کہ حاضر ہونے والوں کی ان کے خیال اور سمجھ کے مطابق ان کی خدمت کرتے تاکہ مالک راضی ہو اور اس سے دوستی میں پختگی ہو۔ انفرادی طور پر اور اجتماعی طور پر ان کے مسائل کا حل فرماتے اور یہ محسوس ہوتا کہ ہر فرد اپنی جگہ پر نہایت مطمئن ہو جاتا۔ بیشتر اصحاب اپنی دنیاوی اور نجی ضرورتوں اور مشکلات کا حل چاہتے جو اعلیٰ حضرتؒ نہایت شفقت اور توجہ سے حل فرما دیتے۔ ان کے حسبِ حال ذکر الٰہی کی تلقین فرماتے اور نماز کی باقاعدگی کی تاکید فرما دیتے۔

جب کوئی شخص تلاش حق کا متلاشی حاضر ہوتا تو نہایت مسرت محسوس فرماتے اور اسے مسائل طریقت سمجھنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کا شوق دلاتے اور اس کے تمام اشکال کو رفع فرماتے۔ چنانچہ ایسا شخص اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا اور مخلوقِ خدا کی خدمت کرنے کا اہل ہو جاتا۔ حضورؒ کے بہت سے غلاموں کی مثال موجود ہے۔

ان مجالس میں ملاحظہ کیا گیا ہے کہ کئی دفعہ چند اصحاب پڑھے لکھے اپنے اپنے قلوب میں چند سوالات لے کر حاضر ہوتے۔ ملاقات کے وقت ابھی انہوں نے اپنے شکوک و شبہات اور اشکال کا ذکر بھی نہ کیا ہوتا تو اعلیٰ حضرتؒ

نہایت آسان پنجابی یا اردو زبان میں چھوٹی چھوٹی مثالیں بیان فرما دیتے اور حاضرین کے تمام سوالات کے جوابات حل فرما دیتے۔ راقم الحروف کا تجربہ ہے کہ ایسی مجلس کے اختتام پر حاضرین اکثر اظہار کرتے کہ میں نے اعلیٰ حضرتؒ سے یہ سوال کرنا تھا وہ سوال کرنا تھا مگر انہوں نے اس کا شافی جواب خود بخود عطا فرما دیا ہے میرے سوال کرنے کی نوبت ہی نہ آئی۔ یہ اعلیٰ حضرتؒ کی کرامت تھی۔

اعلیٰ حضرتؒ کے زمانے میں نہ تو ٹیپ ریکارڈر موجود تھا اور نہ ہی کمپیوٹر تھا لہٰذا ان کے نہایت قیمتی ارشادات کا کماحقہٗ ریکارڈ ممکن نہ ہوسکا اور یہ بڑا المیہ ہے۔

اعلیٰ حضرتؒ نے اپنے ملفوظات کی نشر و اشاعت کے لئے کوئی خاص اہتمام بھی نہیں فرمایا کیونکہ ان کے روزانہ کے مشاغل کی اتنی کثرت تھی کہ انہیں فرصت ہی نہ ملتی تھی کہ وہ ملفوظات کی تحریر اور اشاعت کا انتظام کر سکتے۔ البتہ ہمارے سلسلۂ طریقت کی خوش قسمتی ہے کہ اعلیٰ حضرتؒ کے چند تعلیم یافتہ عقیدت مند غلام ایسے موجود تھے جو اپنی ذاتی تعلیم (Self Education) کی خاطر ارشاداتِ مقدّسہ گاہے گاہے تحریر کر لیتے تھے۔ اعلیٰ حضرتؒ کے وصال کے کئی سال بعد موجودہ سجادہ نشین غوث الزمان الحاج پیر **ہارون الرشید** صاحب مدظلّہ العالی نے محسوس کیا کہ اعلیٰ حضرتؒ کے ارشادات کا اتنا بڑا خزانہ جو ہماری غفلت کی نذر ہو رہا ہے اسے کتابی صورت میں محفوظ کیا جائے تا کہ سالکین طریقت نسبت رسولی ﷺ اس سے رہنمائی حاصل کر سکیں۔ اسی دوران اکثر متوسلین دربار عالیہ کا بھی یہی اصرار تھا۔

چنانچہ 1982ء میں ایک روز غوث الزّمان حضرت پیر ہارون الرشید صاحب مدظلّہ العالی کی خدمت بابرکت میں راقم الحروف حاضر تھا تو حضورؒ نے غوث المعظمؒ کی سوانح حیات اور ان کی تعلیمات کو کتابی صورت میں پیش کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ اپنی علمی و عملی کمزوری کے باعث معذرت پیش کی مگر حضور کی شفقت اور عنایت نے ہمت بندھائی اور ان کی متواتر رہنمائی کے پیشِ نظر خدا کا نام لے کر اس کٹھن کام کو شروع کر دیا۔

راقم الحروف اعلیٰ حضرت غوث المعظمؒ کی خدمت اقدس میں 9 مئی 1951ء کو موہڑہ شریف حاضر ہوا۔ پہلی ملاقات میں ہی ان کے فرمودہ ارشاداتِ عالیہ نے اس قدر متاثر کیا کہ میرے دل نے گواہی دی کہ ''ایں چیزے دیگر است''، اور ان قیمتی ارشادات کو حیطۂ تحریر میں لانا چاہیے۔ چنانچہ اس بندۂ ناچیز نے روزِ اول سے ہی غوث المعظمؒ کے فرمودہ ارشادات کو قلم بند کرنا شروع کر دیا اور حضورؒ کے یوم وصال (22 جولائی 1960ء) تک کے دوران جب بھی باریابی نصیب ہوئی وہ قلم بند کرتا رہا۔ لہٰذا اس بندۂ ناچیز کے پاس ذاتی تحریر کردہ ملفوظات کا ایک معتد بہ خزانہ جمع ہو گیا۔

اس احقر کی معلومات کے مطابق چند دیگر اعلیٰ تعلیم یافتہ حضور والاؒ کے غلاموں نے بھی اپنی ذاتی تعلیم کی خاطر اپنی اپنی حاضریوں کے وقت ارشاداتِ عالیہ قلم بند کئے تھے چنانچہ رئیس الخلفاء الحاج صوفی محمد سرفراز خان صاحب، احسن الخلفاء الحاج پیر احسن الدین صاحب اور خلیفہ الحاج پیر صوفی محمد حسین قریشی صاحب کے تالیف کردہ ملفوظات راقم الحروف کو موصول ہوئے ہیں۔ جو کتاب ہذا میں شامل ہیں۔

ترتیب ملفوظات نظیریہ

اہل اللہ کے ملفوظات کی ترتیب اور تالیف عموماً دو نہج پر ہوتی ہے:

1۔ جب ملفوظات عالیہ کی تعداد اور ضخامت بہت ہو اور مختلف مجالس پر پھیلے ہوئے ہوں اور ان میں تکرار بھی کثرت سے ہو تو ان کو مختلف عنوانوں میں ترتیب دیا جاتا ہے تا کہ قارئین کو پڑھنے، سمجھنے اور غور وفکر کرنے کے لئے آسانی اور سہولت ہو۔

چنانچہ مؤلف کتاب ہذا نے اپنے مجموعی تالیف کردہ ملفوظات کو مختلف عنوانات میں تقسیم کیا ہے۔(باب: 7)۔ چونکہ کئی اہم عنوانات پر کئی مجالس میں بار بار ذکر ہوا ہے لہٰذا اسی عنوان کے ماتحت کم وبیش مختلف تصریحات درج کر دی گئی ہیں تا کہ تمام پہلو سامنے آجائیں اور سمجھنے میں قارئین کو آسانی ہو۔ البتہ ہر نئی تصریح کے فرمان سے قبل عموماً ''فرمایا'' کا لفظ درج کیا گیا ہے جو ظاہر کرتا ہے کہ یہ نیا فرمان ہے یا ماسبق مضمون میں یہ فرمان کسی دوسری مجلس میں بیان ہوا ہے۔ حتی الامکان تکرار یعنی ایک ہی مضمون کو بار بار ذکر ہونے کو خارج کر دیا ہے لیکن بعض مقامات پر جہاں تکرار سے نئے معانی اور مطالب ظاہر ہوتے ہوں یا اس کی اہمیت کو مزید اجاگر کرنا مقصود ہو تو ایسی تکرار کو رہنے دیا ہے۔ چنانچہ ان ملفوظات کو اسی ترتیب سے کتاب ہذا میں درج کیا گیا ہے۔

2۔ وہی ترتیب پیشِ نظر رکھی جائے جس ترتیب سے وہ مختلف مجالس میں بیان ہوئے اور قلمی ہوئے۔ یہ اس صورت میں مناسب اور فائدہ مند ہے جب ان کی تعداد کم ہو تکرار بھی کم ہو نیز ان کا مطالعہ کرنے والے قارئین ایسے ہوں جو اپنے حالات اور کوائف کو تطبیق دے کر مفہوم کو اچھی طرح سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہوں۔

چنانچہ ملفوظات تالیف کردہ:

1۔ رئیس الخلفاء الحاج صوفی محمد سرفراز خان صاحبؒ

(سابق ایڈیشنل اکاؤنٹنٹ جنرل۔ پنجاب)

2۔ احسن الخلفاء الحاج پیر احسن الدین صاحبؒ

(سابق سیکرٹری وزارت خوراک وزراعت۔حکومت پاکستان)

3۔ خلیفہ الحاج پیر صوفی محمد حسین قریشی صاحبؒ

(سابق ایڈمن آفسر۔انسپکٹریٹ آف آرمی سٹورز اینڈ کلودنگ۔کراچی)

ان ملفوظات کو حتی الامکان اسی نہج پر ترتیب دیا گیا ہے اور کتاب ہذا میں شامل کئے گئے ہیں۔(باب: 8)

آداب ملفوظات عالیہ

ان ملفوظات عالیہ سے صحیح فائدہ حاصل کرنے کے لئے چند آداب کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے:

1۔ جو شخص اپنے مرشد کے ارشادات کو پوری توجہ سے سنتا ہے اور پھر ان پر عمل پیرائی کے لئے تحریر کر لیتا ہے اس کو بے شمار برکات عطا کی جاتی ہیں۔چنانچہ پوری توجہ سے سن کر سمجھ کر عمل پیرا ہونا چاہیے۔

2۔ ان ملفوظات کو پڑھتے وقت باوضو اور مؤدب ہو کر بیٹھے اور شروع میں غوث المعظم رہبر اعظم طریقت نسبت رسول ﷺ الحاج پیر نظیر احمدؒ المعروف بہ سرکار موہڑوی کی روح مبارک کو ایصال ثواب کرے۔

3۔ پڑھتے وقت تمام تر توجہ غوث المعظمؒ کی روح مبارک کی طرف ہو۔اس سے پڑھنے والے کا اپنا تزکیہ نفس اور تصفیۂ قلب ہوتا ہے اور اس کے لئے ہدایت کی نئی راہیں کھلتی ہیں۔

4۔ اگر ان ملفوظات کے پڑھتے وقت کسی عبارت کو سمجھنے میں دقّت محسوس ہو تو کسی صاحبِ حال (جو تربیت یافتہ طریقت نسبت رسول ﷺ ہو) سے دریافت کر لے۔ظاہر بین مولوی یا صوفی نما لوگوں سے دریافت کر کے اپنے دماغ کو پراگندہ نہ کرے۔قرآن حکیم میں صاحبِ حال لوگوں سے دریافت کرنے کی تاکید ہے:

فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴿الانبیاء:7﴾

''اگر تم نہیں جانتے تو اہلِ ذکر سے پوچھ لو''

راقم الحروف کی موہڑہ شریف میں پہلی حاضری

راقم الحروف یہ عاجز صوفی میاں محمد رشید ولد حاجی میاں محمد اسمٰعیلؒ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اولیائے کرام و بزرگان عظام اہل جہان کے لئے رب العزت کی نعمتِ عظمٰی ہیں اور ان کی خدمت میں حاضری اور ان کے ساتھ قلبی تعلق قائم کرنا روحانی ترقی کے لئے ضروری ہے۔ مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

یک زمانہ صحبتِ با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعتِ بے ریا

راقم الحروف 1942ء میں کل ہند مقابلے کے اعلیٰ امتحان (All India Audit & Accounts & Allied Services Competitive Examination,1942) میں شامل ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اعلیٰ درجہ میں کامیابی عطا فرمائی۔ اور ملٹری اکاؤنٹس ڈیپارٹمنٹ میں بطور اسسٹنٹ کنٹرولر تعیناتی ہوگئی۔ نومبر 1949ء میں کراچی میں بطور کنٹرولر نیول اکاؤنٹس مقرر رہا۔ اپریل 1951ء میں وہاں میری ملاقات جناب الحاج سردار محمد سرفراز خان صاحب سے ہوئی۔ وہ ان دنوں کراچی میں A.G.P.R Office میں بطور ڈپٹی اکاؤنٹنٹ جنرل متعین تھے۔ وہ غوث المعظم رہبر اعظم طریقت نسبتِ رسولی ﷺ الحاج اعلیٰ حضرت پیر نظیر احمد سرکار موہڑویؒ کے رئیس الخلفاء تھے۔ وہ ہر اتوار کو اپنی رہائش گاہ پر **اورادِ نظیریہ** کی مجلس منعقد کرتے تھے جس میں اہل شوق حضرات شامل ہوتے تھے۔ چنانچہ یہ عاجز بھی اس مجلس میں حاضر ہوتا۔ جناب حاجی صاحب اس مجلس میں عموماً اعلیٰ حضرتؒ کے حالات اور تعلیمات کا ذکر فرماتے اور اپنی تقریباً 10 ماہ کی موہڑہ شریف کی حاضری کے متعلق بہت محبت اور شوق سے بیان کرتے۔ جس سے سامعین بہت متاثر ہوتے چنانچہ میں بھی ان باتوں سے متاثر ہوا۔

اتفاق سے دو تین حاضریوں کے بعد ہی میری محکمانہ سالانہ کانفرنس راولپنڈی میں ملٹری اکاؤنٹنٹ جنرل (پاکستان) کے دفتر میں مئی 1951ء کے پہلے ہفتہ میں قرار پائی۔ چنانچہ میں نے جب جناب حاجی صاحب سے ذکر کیا تو انہوں نے اس موقع کو مناسب سمجھتے ہوئے مجھے موہڑہ شریف میں اعلیٰ حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کی ترغیب دلائی اور ایک مکتوب شریف اعلیٰ حضرتؒ کے لئے مجھے دستی دیا۔ میرے دل میں اس ملاقات کے لئے پہلے ہی سے تڑپ پیدا ہو چکی تھی لہذا عزمِ مصمم کرلیا اور راولپنڈی میں محکمانہ کانفرنس سے فارغ ہوکر 9 مئی 1951ء کو موہڑہ شریف میں حاضر ہوگیا۔ میرے ہمراہ دو اور ساتھی بھی تھے جن میں سے ایک میجر صاحب حافظ قرآن تھے اور دوسرے دو بار حج کر چکے تھے۔ ہم تقریباً چار بجے بعد دوپہر براستہ کلڈنہ پیدل دربار عالیہ میں پہنچے۔ عصر کی نماز کے بعد اعلیٰ حضرت جناب پیر نظیر احمد صاحبؒ کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ میں نے جناب حاجی صاحب کا مکتوب پیش کیا۔

اعلیٰ حضرتؒ نے مکتوب پڑھا، اظہارِ مسرت فرمایا اور نہایت مشفقانہ طریقے سے تعارفی بات چیت ہوئی اور ملحقہ کمرے میں تھوڑا آرام کرنے اور چائے پینے کے بعد بلانے کے لئے اجازت دی۔ چائے سے فارغ ہونے کے بعد دوبارہ حاضری ہوئی۔

اعلیٰ حضرت جناب پیر صاحبؒ کی بارعب شخصیت سے میں پہلی ملاقات کے موقع پر ہی بہت متاثر ہوا تھا۔ وہ حسن باطنی کے ساتھ حسن ظاہری سے بھی متصف تھے۔ اپنی نشست گاہ پر جلوہ افروز تھے۔ میانہ قد مائل بطوالت، بھاری جسم مبارک، سینہ کشادہ اور رنگ کھلتا ہوا گندمی تھا۔ چہرہ مبارک پر نور برستا تھا اور مسکراہٹ نمایاں تھی۔ بڑی بڑی آنکھیں نور معرفت سے لبریز تھیں۔ اُنکے چہرہ مبارک کو سیدھا تکنا دشوار تھا۔ اُسی وقت ممکن تھا جب ان کی توجہ دوسری طرف ہوتی۔ آہستہ اور دھیمی آواز میں بات کرتے اور ہر لفظ سننے والے کی سمجھ میں اچھی طرح آجاتا اور دریافت بھی فرماتے کہ بات سمجھ میں آ گئی۔ ورنہ وہ مزید تفصیل فرما دیتے۔ اکثر چھوٹی چھوٹی عمومی مثالوں سے اہم مسائل سمجھا دیتے۔ میرے دل نے گواہی دی کہ جس مرشدِ کامل کی تلاش تھی آج اللہ تعالیٰ نے اس کے قدموں میں پہنچا دیا ہے۔ **الحمد لله علی ذالک.**

نیت کی اہمیت

فرمایا: حدیث مبارک ہے "**اِنّمَا الاَعمَالُ بِالنِّیَاتِ** ﴿بخاری﴾" اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی ہے۔ لہٰذا اگر آپ کراچی سے روانہ ہوتے وقت موہڑہ شریف کی حاضری کی نیت کر لیتے تو آپ کا یہ سارا سفر حتیٰ کہ راولپنڈی میں آپ کی چار روزہ کانفرنس کا عرصہ بھی عباداتِ الٰہی میں شمار ہو جاتا اور واپس گھر پہنچنے تک اسی کیفیت میں شامل ہوتا۔ کیونکہ آپ کراچی سے علم دین حاصل کرنے کے لئے اتنی دور موہڑہ شریف آئے ہیں۔

فرمایا: ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے غسل کر رہے تھے۔ جمعہ کا دن تھا۔ اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے۔ دریافت فرمایا کہ کیسا غسل ہے؟ صاحبزادے نے جواب دیا کہ غسل ضروری ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آج جمعة المبارک ہے اگر غسل کے ساتھ جمعہ کے غسل اور حضورﷺ کی سنت کی ادائیگی کی نیت کر لیتے تو سنت رسولﷺ کی ادائیگی کا ثواب بھی حاصل ہو جاتا اور غسل تو ضمنی طور پر ہو ہی جانا تھا کیونکہ نیت کے لحاظ سے اعمال کا رُخ بدل جاتا ہے۔

فرمایا: جو کام بھی کریں اللہ تعالیٰ کی رضا اور اتباعِ سنتِ حضورﷺ کی نیت سے کیا کریں۔ ایسی نیت سے

سنت کی ادائیگی ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا بھی حاصل ہوتی ہے اور دنیا کا کام بھی سرانجام پا جاتا ہے۔لہٰذا اگر انسان اپنی نیت کو درست رکھے اور بظاہر دنیاوی کام بھی سرانجام دیتا رہے تو اسے دنیا میں بھی سرخروئی اور عاقبت میں بھی سرفرازی نصیب ہوگی۔

فرمایا: ہر شخص اپنے خیال کے مطابق کام کرتا ہے۔جیسی نیت ہوگی ویسی مراد پائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے دربار سے کوئی خالی ہاتھ نہیں لوٹتا۔حدیث قدسی ہے **"اَنَا عِنۡدَ ظَنِّ عَبۡدِی بِیۡ"** ''میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق پیش آتا ہوں'' مگر اس میں کامیاب و بامراد وہی شخص ہے جس کی نیت درست ہے اگر وہ مقصودِ بالذات یعنی رضائے الٰہی کی مراد لے کر اپنے شیخ یا ولی اللہ کے مزار یا بیت اللہ شریف پر حاضری دیتا ہے تو اغلب ہے کہ وہ دنیا اور آخرت کی مرادیں پائے اور اگر صرف دنیاوی مراد ہی مدنظر ہو تو یہ مراد تو شاید اسے حاصل ہو جائے لیکن اصل مقصودِ بالذات یعنی رضائے الٰہی سے محروم رہے گا۔پس ہر فرد کو چاہئے کہ وہ ہر کام میں رضائے الٰہی کے حصول کی نیت کرے کیونکہ اگر نیت صداقت پر مبنی ہو تو یہ انسان کو حوصلہ اور مستقل مزاجی دیتی ہے اور وہ کامیاب ہو جاتا ہے۔

فرمایا: نیت کی درستی اور عمل کے اخلاص کو اسلامی شریعت میں بڑی اہمیت حاصل ہے بلکہ یہ اسلام کا ایک انقلابی تصّور ہے۔ **اِنَّمَا لِکُلِّ اِمۡرءٍ مَانَوَیٰ (الحدیث)** ''ہر انسان کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی''

انسان اور کائنات

فرمایا: اس دنیا کی زندگی کتنی مختصر اور فانی ہے اس کا اندازہ اس طرح سے کریں کہ دنیاوی زندگی کے ایک ہزار سال سماوی زندگی کے ایک دن کے برابر ہوتے ہیں جیسا کہ قرآن پاک میں ہے:

اِنَّ یَوۡمًا عِنۡدَ رَبِّکَ کَاَلۡفِ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ﴿الحج:47﴾

''تمہارے رب کے پاس تمہارے ہزار سال ایک دن کے برابر ہیں''

نیز قرآن پاک میں ہے:

تَعۡرُجُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوۡحُ اِلَیۡہِ فِیۡ یَوۡمٍ کَانَ مِقۡدَارُہٗ خَمۡسِیۡنَ اَلۡفَ سَنَۃٍ﴿المعارج:4﴾

''جس کی طرف روح (الامین) اور فرشتے چڑھتے ہیں اور اس دن جس کا اندازہ پچاس ہزار برس کا ہوگا''

اعلیٰ حضرتؒ نے ایک نقشہ بنا کر سمجھایا کہ کائنات میں انسان کی کیا حیثیت ہے۔

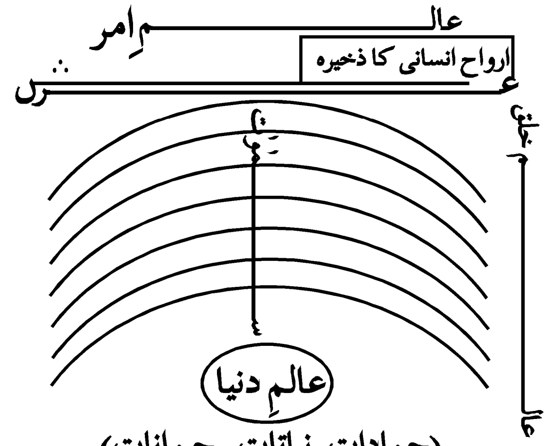

(جمادات۔نباتات۔ حیوانات)

عناصر: مٹی۔ہوا۔ پانی۔ آگ

عرشِ الٰہی کے نیچے عالمِ خلق ہے اسی میں ہماری زمین واقع ہے۔ زمین کے اوپر افلاک (آسمان) ہیں۔ دنیا کی کل کائنات تین قسم کی ہے یعنی جمادات، نباتات اور حیوانات اور ان تمام کی ساخت چار عناصر (مٹی، ہوا، پانی اور آگ) سے مختلف مقداروں سے ہوئی۔ ان عناصر (Elements) میں سے ہر عنصر فلسفہ قدیم میں مفرد خیال کیا جاتا تھا لیکن فلسفہ جدید (موجودہ سائنس) نے ان عناصر کو مرکب ثابت کیا ہے۔ مگر یہ بھی ثابت شدہ ہے کہ تمام بنیادی عناصر انہی چاروں عناصر میں موجود اور جمع ہیں اور تمام اشیاء ان چار عناصر اور ان کے اجزاء کی محتاج ہیں۔ انسان کا ڈھانچہ (جسم) بھی ان چار عناصر کا مرکب ہے اور اسی کائنات کا ایک حقیر جزو ہے۔

عرش کے اوپر عالم امر یا عالم ارواح ہے جو ارواح کا ذخیرہ یا سٹور ہاؤس ہے اور بحکم امرِ الٰہی کن فیکون کے تحت یکدم پیدا ہوا۔ اس عالم سے ہر روح عالم دنیا میں اپنے اپنے مقررہ وقت کے حساب سے آتی ہے اور اپنے اپنے وقت مقررہ کے حساب سے چلی جاتی ہے اور مختلف حالتوں میں آمد و رفت ہوتی ہے۔

روح نورانی چیز ہے۔ جب وہ نورانی روح عالم بالا سے چل کر اس انسانی ڈھانچہ میں جو ان چار عناصر سے بنا ہے اور بے حس و حرکت ہوتا ہے بحکم الٰہی شکمِ مادر میں آ کر داخل ہوتی ہے تو وہ زندہ ہو کر متحرک حالت میں (پیدائش کی صورت میں) عالمِ دنیا میں آتی ہے۔ اس عالمِ دنیا میں رہ کر ہر جزو عناصر اور روح اپنے اصل کی طرف میلان و رجحان رکھتا ہے۔ بقول **كُلُّ شَيْئٍ يَرْجِعُ اِلٰى اَصْلِهٖ** اس میلان اور رجحان کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے۔ اس زندگی میں مادی اجزا مادیات سے بنی ہوئی اشیاء کی طرف جانے کی کوشش میں مگن ہوتے ہیں اور اسی محویت اور کوشش کو اپنا مقصدِ زندگی اور مدعائے حیات سمجھ لیتے ہیں لیکن روح جو عالمِ ارواح سے آئی ہے نورانی ہے۔ وہ اس ظلمت کدے میں

رہنے کی بجائے عالمِ ارواح میں شمولیت کے لئے عالمِ بالا کی طرف پرواز کی جدو جہد کرتی ہے۔ اس لئے ان ہر دو میں یہ باہمی مقابلہ ورسہ کشی رہتی ہے اور ہر ایک جز و اپنے ہم جنس میں رہنے اور جانے کا خواہش مند ہوتا ہے۔ اب اگر عالمِ دنیا کی مادیات غلبہ حاصل کرلیں اور روح کو شکست دے دیں تو یہ ہار مان کران کے قبضہ میں آ جاتی ہے اور آہستہ آہستہ روح کی نورانیت پر جو مثل آئینہ ہوتی ہے میل کچیل جم جاتی ہے۔ یہاں تک کہ مکدر ہو کر اس کی آب و تاب نہیں رہتی۔ اسی لئے پھر وہ دنیا کے مال ومتاع اور دنیاوی عیش وعشرت کو ہی مقصودِ بالذّات سمجھنے لگتی ہے اور اسی فانی عیش وعشرت میں محو ہو کر روح کی نورانیت ظلمانیت سے بدل جاتی ہے۔ اس فانی لذائذ و عیش و آرام میں پھنس کر اصل مقصودِ بالذات سے دور بھٹک جاتی ہے اور جب تک اس کی صفائی نہ کی جائے اصلی حالت پر آ ہی نہیں سکتی۔ اور نہ ہی عالمِ بالا کی طرف پرواز کے قابل ہوسکتی ہے اور اس عالمِ دنیا میں اس کے علائق اور اسباب سے بے نیاز ہو کر خدا سے جو اصل مقصودِ بالذّات ہے مل سکتی ہے۔ یہ صفائی پیرِ کامل اور شیخ طریقت کی کیمیائی نظر اور ان کی ہدایات پر عمل کرنے سے حاصل ہوسکتی ہے ورنہ تو ناممکن ہے۔ بہرحال فضلِ ایزدی کی ضرورت ہے جیسا کہ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں:

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

دنیاوی زندگی کی حقیقت

فرمایا: دنیاوی زندگی کی حقیقت کیا ہے؟ یہ سمجھنا انسان کیلئے انتہائی ضروری ہے۔ فرمانِ خداوندی ہے:

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَھْوٌ وَّزِیْنَۃٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَیْنَکُمْ وَتَکَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ﴿الحدید:20﴾

''جان رکھو کہ یہ زندگانی ِ دنیا محض تماشا ہے اور دل بہلا وہ اور بناؤ سنگھار ہے اور آپس میں شیخی بازی اور اموال واولاد میں زیادتی کی طلب ہے''

دنیا کی زندگی عارضی ہے۔ دنیا میں ملازمت، تجارت، زراعت، صنعت وحرفت اور مزدوری سب دھندے پیٹ کی خاطر کئے جاتے ہیں۔ چونکہ انسان کے ساتھ پیٹ لگا ہوا ہے جس سے خلاصی اور چھٹکارا نہیں ہوسکتا۔ اس لئے انسان کو یہ سب کام کرنے پڑتے ہیں۔ یہ سب اسبابِ زندگی ہیں۔ اصلی مقصودِ حیات اللہ تعالیٰ کی عبادت، اطاعت وفرمانبرداری کرکے اس کی خوشنودی حاصل کرنا ہے۔ دنیاوی کاموں کی حیثیت محض ضمنی ہے۔

انسانی ہدایت

فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں انسان کو پیدا فرمایا اور اسے اشرف المخلوقات کا شرف عطا فرمایا اور اسے اپنا نائب (خلیفہ) بنایا۔ اسے عارضی زندگی عطا کی۔ وہ انسانوں پر بے حد شفیق اور مہربان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو انسانوں کی اصلاح وتربیت کے لئے دنیا میں بھیجا۔ ان حضرات نے اپنی دعوت ومحنت کا موضوع انسان کو بنایا۔ اور اس انسان میں صحیح یقین، صحیح خواہش اور بہترین اخلاق پیدا کر کے اسے اللہ کی خلافت و نیابت کے لئے تیار کیا۔ یہی ان کا بنیادی مقصد تھا۔ ہر نبی نے اپنے دَور میں یہ مقصد پورا کیا۔ انبیاء کے ان کارناموں میں سب سے روشن کارنامہ اللہ کے آخری نبی حضرت محمدﷺ کا ہے۔ جن افراد نے آپﷺ سے اپنا تعلق پیدا کیا وہ کامران ہوئے۔ آپﷺ کی تعلیم وتربیت سے ان میں سے ہر ایک فردنبوت کا شاہکار بنا۔ حضورﷺ کا ارشاد ہے **اَصۡحَابِیۡ کَا النُّجُوۡمُ فَاَیُّکُمۡ اقۡتَدَیۡتُمۡ فَاصۡتَدَیۡتُمۡ** ﴿الحدیث﴾ ''میرے صحابی ستاروں کی مثل ہیں جسکی تم پیروی کرو گے تم ہدایت پاؤ گے''، حضورﷺ کے طفیل اسلام کی تکمیل ہوئی اور نبوت کا اختتام ہوا۔

نسبت رسولیﷺ

قرآن کریم میں ہے۔

فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَالنُّوۡرِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلۡنَا ط ﴿التغابن: 8﴾

''پس اللہ اور اس کے رسول پر اور اس نور (کتاب وسنت) پر جو ہم نے نازل کیا ہے ایمان لاؤ''

اس فرمانِ خداوندی سے ظاہر ہے کہ رسول اللہﷺ پر ایمان لانا اللہ پر ایمان لانے کے مترادف ہے کیونکہ ایمان وہی مقبول ہے جو رسول پاکﷺ نے سکھایا۔ آقائے دو جہاںﷺ سے جس کا جتنا رابطہ ہوگا اسی قدر اس کا ایمان مضبوط ہوگا۔ کلمہ طیبہ سے بھی واضح ہے کہ جیسا اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لازمی ہے ویسا ہی ذات محمدیﷺ پر ایمان لانا بھی لازمی ہے۔ **بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر**

ایمان سے مراد محض رسمی یا پیدائشی نہیں بلکہ شعوری ایمان مراد ہے۔ یہ زبانی اقرار کے ساتھ قلبی تصدیق کو بھی لازمی قرار دیتا ہے۔ حضورﷺ کی ذات سے قلبی محبت، انکی اتباع اور اطاعت ایمان کی بنیادی شرائط ہیں اور یہی نسبت رسولیﷺ کی بنیاد ہیں۔

بیعت

فرمایا: یہ دنیاوی زندگی انسان کے لئے امتحان کی جگہ ہے اور اُسے یہاں اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴿الذریت:56﴾

''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں''

عام طور پر انسان دنیا میں آ کر بشریت سے مغلوب ہو جاتا ہے اور اس کی نورانی کیفیت پس پشت پڑ جاتی ہے اور وہ دنیا کی طرف ہی متوجہ ہو جاتا ہے یہی انسان کی غفلت اور اس کا نسیان ہے اور وہ اپنے اصلی مقصودِ حیات یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب حاصل کرنے سے محروم رہ جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل کرنے کا واحد ذریعہ نبی پاک ﷺ کی غلامی اختیار کرنا ہے۔ چنانچہ ایسی غلامی حاصل کرنے کے لئے کسی مردِ کامل کی رہنمائی ضروری ہے۔ جیسا کہ مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

قال را بگذار مردِ حال شو
پیشِ مردے کاملے پامال شو

جب کوئی شخص وصولِ الی اللہ کی نیت سے اپنے آپ کو کسی مردِ کامل کے سامنے پیش کرتا ہے اور وہ بھی اسے قبول کر لیتا ہے تو اس تعلق کو بیعت کہا جاتا ہے اور یہ طریقت میں داخل ہونے کا دروازہ ہے۔ بیعت ہونے والے کو ''مرید'' اور بیعت کرنے والے کو ''شیخ یا پیر'' کہا جاتا ہے۔

اس موقع پر اس عاجز نے عرض کی کہ مجھے بھی اپنی غلامی کا شرف عطا فرمایا جائے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرتؒ نے راقم الحروف کی بیعت مندرجہ ذیل طریقہ سے فرمائی۔

اپنے سامنے دوزانو بٹھا کر اور میرا سر جھکا کر اس پر اپنا دست مبارک رکھا اور یوں تعلیم دی۔

1۔ **بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o**

2۔ **لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ o**

3۔ **اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ**

4۔ یا اللہ توبہ۔ سارے گناہوں سے توبہ۔

5۔ قبول کیا طریقہ نسبت رسول ﷺ۔

6۔ بائیں چھاتی سے دو انگل نیچے مقامِ قلب ہے اس پر توجہ کرنی چاہیے۔

7۔ میرے قلب پر اپنی دو انگشت مبارک (انگشتِ شہادت و انگشتِ وسطٰی) رکھ کر فرمایا: منہ بند کر کے ناک سے آہستہ آہستہ سانس لیں جب سانس اندر جائے تو لفظ ''**اَللّٰہُ**'' اور باہر آئے تو لفظ ''**ھُو**'' کا ذکر کریں۔ اپنے قلب پر توجہ رکھیں۔ یہ ذکرِ قلبی ہے اور اس کو اسی طریقہ سے ہر وقت جاری رکھنے کی کوشش کریں۔ خود ذکر کر کے سمجھایا اور فرمایا کہ ذکر کرتے وقت اصل مقصود (اللہ کی ذات) کی طرف متوجہ رہیں۔

8۔ ہاتھ پاؤں وغیرہ اپنے اپنے کام میں لگے رہیں مگر تمہارا قلب اسی ذکر میں مشغول رہے۔

9۔ نماز عشاء کے بعد درود شریف 360 بار اور **یَا بَاعِثُ** 360 بار پڑھا کریں اور نماز فجر کے بعد سورۃ فاتحہ 21 بار اور آیت کریمہ 360 بار پڑھا کریں۔

10۔ نماز باقاعدگی سے ادا کریں اور ہر نماز کے بعد الحسیب 100 بار جاری رکھیں۔

11۔ بیعت کے بعد اپنی انگشتِ مبارک سے میری پیشانی پر جو چاہا تحریر فرمایا:

چونکہ مجھے اُسی روز شام کی گاڑی راولپنڈی سے کراچی کے لئے روانہ ہونا تھا اس لئے مجھے صرف ایک رات کا قیام نصیب ہوا۔ مجھے ایک بجے بعد دوپہر رخصت کر کے فرمایا: آتی دفعہ آپ کلڈنہ کے راستے سے آئے اب واپسی براستہ کشمیری بازار جائیں تاکہ یہ راستہ بھی آپ دیکھ لیں۔ نیز فرمایا کہ اس بار تو آپ اپنی ہمت سے یہاں آئے ہیں آئندہ انشاء اللہ کسی اور طاقت کے ماتحت آیا کریں گے۔ **الحمد للہ اس** فرمان کا ثبوت میں نے بار بار محسوس کیا۔ مجھے اعلیٰ حضرتؒ کی خدمت میں حاضری کی سعادت تقریباً 9 سال (1951ء تا 1960ء) رہی۔ سال کے ہر موسم اور ہر مہینہ میں راقم الحروف کو متواتر کئی کئی بار حاضری نصیب ہوتی رہی بلکہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ بھی کئی بار یہ سعادت حاصل ہوتی رہی۔ **الحمد للہ**

تعجب خیز تجربہ یہ بھی ہوا کہ ہر حاضری کے بعد یہی محسوس ہوا کہ پہلی زندگی کے مقابلے میں نئی اور بہتر زندگی اب شروع ہوئی ہے اور اسی طرح نیا ولولہ پیدا ہوتا رہا۔ **الحمد للہ**

میرے دونوں ساتھیوں کو بھی بیعت فرمایا۔

کراچی میں جب راقم الحروف نے جناب حاجی محمد سرفراز خان صاحب کو ساری روئیداد سنائی تو بہت خوش ہوئے چند دنوں کے بعد وہ خود میرے پاس تشریف لائے اور اعلیٰ حضرت کا مکتوب شریف مجھے پڑھایا۔ تبرکاً میں اس مکتوب شریف کی نقل درج ذیل کرتا ہوں۔

اعلیٰ حضرتؒ کا مکتوب شریف

از دربار موہڑہ شریف 786

13-5-51 92ﷺ

بشرف ملاحظہ راسخ العقیدہ خلیفہ حاجی صوفی سردار محمد سرفراز خان صاحب

وعلیکم السلام و رحمتہ اللہ !

آپ کی چٹھی ملی۔

عبدالرشید صاحب بھی آئے تھے اور بھی دو آدمی ان کے ہمراہ تھے اگرچہ ان آدمیوں کی قلبی رفاقت نہ تھی صرف ظاہری تھی۔

عبدالرشید صاحب بہت صحیح آدمی ہے انشاء اللہ کامیاب ہو جائے گا۔ صرف ایک رات رہے۔ چند ضروری امورات اور شغل ان کو بتلایا گیا۔ یہ اس پر مداومت رکھیں گے تو ان کے لئے خود قلب ہی مددگار ہو جائے گا۔ ان کے طفیل دوسروں کو بھی ہدایت دی گئی۔ **واللہ اعلم** خداوند کریم آپ کو اپنی محبت اور عشق پر قائم رکھے اور اخلاصِ حقیقی اور رضائے ربانی میں مستغرق رکھے اور آپ کا فیض لکھوکھہا آدمیوں کو پہنچے اور آپ کو اپنے اعلیٰ بندوں میں داخل کرے۔ فقط

دعاگو

نظیر احمد خاک نشین

نوٹ: اعلیٰ حضرتؒ کا یہ مکتوب شریف راقم الحروف کے لئے سرمایہ افتخار ہے اور تحدیثِ نعمت کی خاطر یہاں کتاب میں درج کیا گیا ہے۔ (مؤلف)

موہڑہ شریف کا مقام

راقم الحروف کی دوسری حاضری کے موقع پر اعلیٰ حضرتؒ نے فرمایا: ہمارا یہ علاقہ مسیاڑی کہلاتا ہے۔ سو سال قبل مری ہلز (Murree Hills) کے گھنے جنگل اس علاقے میں موجود تھے۔ شیر، چیتے اور جنگلی جانور بکثرت ہوتے تھے۔ انگریزوں نے 1850ء میں مری کا علاقہ فتح کیا اور مقامی باشندوں پر بے پناہ ظلم وستم کیے۔ 1870ء میں پہلی بار والدم حضرت خواجہ محمد قاسمؒ اپنے شیخ مکرم قبلۂ عالم حضرت خواجہ نظام الدینؒ کہیاں شریف کے حکم پر یہاں تشریف لائے اور اس جنگل میں قیام فرمایا۔ اسی جنگل میں انہوں نے مخلوقِ خدا کو خدا کی طرف راغب کیا اور آہستہ آہستہ موہڑہ شریف کی بستی نمودار ہوئی۔ لوگوں کی آمد ورفت بھی بڑھتی گئی اور گرد ونواح سے جنگل بھی سکڑتا گیا۔ نومبر 1943ء میں ان کا وصال ہوا۔ 14 لاکھ سے زائد بندگانِ خدا ان کی خدمت میں حاضر ہو کر بامراد ہوئے۔

فرمایا: موہڑہ شریف دنیا کے شور وشر سے دور ایک الگ تھلگ جگہ ہے۔ دراصل یہ دنیاوی جگہ نہیں۔ بفضلہٖ تعالیٰ مالک الملک کی اپنی جگہ ہے۔ جسے اس نے طریقت کا سرچشمۂ ہدایت بنایا ہے۔ **الحمد لله.**

فرمایا: موہڑہ شریف آنے میں جو تکلیف ہوتی ہے (اُن دنوں دشوار گذار راستے تھے اور کوئی سڑک وغیرہ بھی نہیں تھی) اگر خیال صحیح ہو تو یہ تکلیف کارآمد ہو جاتی ہے۔ اگر خیال صحیح نہ ہو تو بے فائدہ ہے۔ دنیا کی سہولتیں زندگی کی خاطر ہیں اور زندگی محض اللہ تعالیٰ کی غلامی کے لئے ہے۔ **وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ** ﴿**الذّٰرِیٰت:56**﴾ ''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں'' اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں نہایت عارضی وقت کے لئے بھیجا ہے۔ اس وقت میں اسے نسیان (غفلت) دور کرنا ہے اور خیال صحیح کرنا ہے۔ جب خیال صحیح ہو جاتا ہے تو پھر بفضلہٖ تعالیٰ اس شخص کی تمام زندگی (اس کی حرکات، اُٹھنا، بیٹھنا، چلنا، پھرنا، کھانا، پینا، آرام واستراحت وغیرہ) سب عبادت ہو جاتی ہے ورنہ سراسر گمراہی وخرابی ہے۔

فرمایا: ہمارے پاس بہت سے لوگ جسمانی اور روحانی بیماریوں والے آتے ہیں۔ جب کوئی شخص صحیح خیال سے موہڑہ شریف آتا ہے کہ وہاں جا کر اللہ کے ولی کے وسیلہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگوں گا اور اللہ تعالیٰ سے اپنی بیماری کی شفا کے لئے درخواست کروں گا تو اللہ تعالیٰ اسے شفا بخش دیتا ہے۔ شفا دراصل دوا میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیئت میں ہے اور اس کی مشیت اسباب میں مستور ہوتی ہے۔

مخلوقِ خدا کی خدمت

فرمایا: مخلوقِ خدا اللہ تعالیٰ کی اپنی چیز ہے۔ حدیث مبارک میں ہے **اَلْخَلْقُ عَيَالُ اللّٰهِ**(مخلوق اللہ کا

کنبہ ہے) اللہ پاک اس پر شفقت فرماتا ہے۔ اس نے جملہ پیغمبروں کو محض اس لئے مبعوث فرمایا کہ وہ دنیا میں جا کر بندوں کو پروردگار سے ملنے کی تعلیم دیں اور ان کی رہنمائی کریں۔ چنانچہ ہر پیغمبر نے اپنے اپنے زمانے میں اپنی قوم کو اللہ کی طرف بلانے کی دعوت دی اور آخر میں پوری دنیا کے لوگوں کو اپنی طرف بلانے کے لئے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ قرآن حکیم میں ہے:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴿الاعراف:158﴾

''(اے محمدؐ) فرمادیجئے کہ لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں''

چنانچہ فرائضِ نبوت میں اعلیٰ ترین مقام خدمتِ خلق ہے لیکن ایسی خدمتِ خلق جس میں اپنی ذاتی کسی قسم کی غرض و غایت نہ ہو بلکہ وہ خدمتِ خلق محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے کی جائے۔ اس خدمتِ خلق کی بہترین صورت کسی شخص کو مالک کا راستہ بتلانا ہے۔ پھر تعلیم و تربیت سے ایسے شخص کو مالک کی بارگاہ میں حاضر کرنا ہے۔ یہی تعلیم تھی جس کا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے قصیدہ غوثیہ شریف میں ذکر فرمایا ہے:

دَرَسْتُ الْعِلْمَ حَتّٰى صِرْتُ قُطْبًا
وَنِلْتُ السَّعْدَ مِنْ مَّوْلَى الْمَوَالِىْ

''میں نے علم ظاہری کا درس یہاں تک لیا اور دیا کہ میں قطب ہوگیا اور اس درس و تدریس سے مجھ پر نیک بختی کا راز ظاہر ہوگیا اور میں رب العزت کی مدد سے منزل سعادت پا گیا۔''

آخر میں رخصت کرنے سے قبل اعلیٰ حضرتؒ نے اس ناچیز پر کمال شفقت فرمائی۔ اپنے دست مبارک سے دستار خلافت سر پر باندھی اور ایک عدد خوبصورت تسبیح (دوصد دانے) عطا فرمائی۔ ضروری ارشادات فرما کر دعا کے بعد اجازت فرمائی۔ **الحمد لله علی ذالک**

مقصودِ حیات

فرمایا: انسان کی زندگی کا اساسی مسئلہ یہ ہے کہ اس دنیا میں اس کی زندگی کا مقصود کیا ہے؟

انسانی زندگی ایک خاص مقصد کے لئے ہے۔ اللہ پاک نے انسان کو اس دنیا میں نہایت مختصر وقت کے لئے بھیجا ہے۔ یہاں جو آتا ہے یہاں سے جانے کے لئے آتا ہے۔ کسی کو یہاں قرار نہیں۔ مالک نے بشریت کے قالب میں ایک عظیم الشان شے رکھ دی ہے جس میں لامحدود عظمتیں پنہاں ہیں۔ زندگی کا اصل مقصد صرف ایک ہے اور وہ ہے

اللہ پاک کی غلامی اختیار کر کے اس کی خوشنودی اور قربِ الٰہی حاصل کرنا۔

عام طور پر انسان دنیا میں آ کر بشریت سے مغلوب ہو جاتا ہے اور اس کی نورانی کیفیت پس پشت پڑ جاتی ہے۔ وہ اس دنیا کو ہی سب کچھ سمجھنے لگ جاتا ہے اور دنیا کی طرف ہی متوجہ ہو جاتا ہے یہی انسان کی غفلت اور اس کا نسیان ہے۔ دراصل دنیا میں انسان کو اس طرح رہنا چاہیے کہ اپنی غفلت کو دور کر کے نورانیت سے مغلوب کیا جائے۔ یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ دنیا اور اسبابِ دنیا سارے کے سارے محض سہولت اور قیام زندگی کے لئے ہیں اور زندگی صرف مالک الملک کی غلامی اور عبدیت کے لئے ہے۔ زندگی اللہ پاک کے عشق اور صحیح خیال میں گزرنی چاہیے۔

فرمایا: انسان کا خیال نہایت قیمتی شے ہے اگر یہ خیال صحیح ہو جائے اور صحیح راہوں پر چلنا شروع کر دے تو یہ خیال قربِ الٰہی کو پہنچا دیتا ہے۔ اپنے خیال کو صحیح رکھنا چاہیے اور اصل مقصود بالذات یعنی قربِ الٰہی پر مرکوز رکھنا چاہیے۔ کوئی لمحہ ایسا نہ گزرے جو مالک کی یاد سے غافل ہو۔ معبودِ حقیقی نے جو حدود انسان کے لئے مقرر کر دی ہیں ان کی پابندی کرتے ہوئے وہ جو کام بھی کرے گا وہ عبادت ہوگا۔

فرمایا: قرآن مجید میں انسانی مقصدِ حیات کا تعین خود اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴿الذریت:56﴾

''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں''

عموماً تفسیروں میں **لیعبدون** کا ترجمہ عبادت سے تعبیر کرتے ہیں اور مدعا محض نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج لیتے ہیں۔ یہ عبادت کا محدود مقصد ہے اصل میں **عبدیت** مراد ہے۔ ورنہ تمام فرشتے اور کائنات کی ہر چیز ہر وقت مصروفِ عبادت ہے۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الاَرْضِ ﴿التغابن:1﴾

''جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو چیز زمین میں ہے سب خدا کی تسبیح کرتی ہیں''

عبدیت جو عظیم تر ہے وہ مقصود ہے۔ چنانچہ کلمہ شہادت میں مقام عبدیت کو مقام رسالت پر مقدم رکھا گیا ہے۔ **اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ** **''عبد''** پہلے آتا ہے اور **''رسول''** بعد میں ہے۔ مدعا یہ ہے کہ ''عبدہ'' کا مقام ''رسولہ'' سے افضل ہے۔

فرمایا: انسان کو اس دنیا میں اپنے خالق، مالک اور معبودِ حقیقی کے عبد (بندے) کی حیثیت سے اپنی تمام ذمہ داریاں پوری کرنا اور زندگی بسر کرنا ہے اور اس کی عبدیت اختیار کرنا ہے تا کہ وہ اس کا قرب اور خوشنودی حاصل کر سکے۔ یہی اس کا مقصودِ حیات ہے۔

مسئلہ ھبوط (حضور اکرمﷺ)

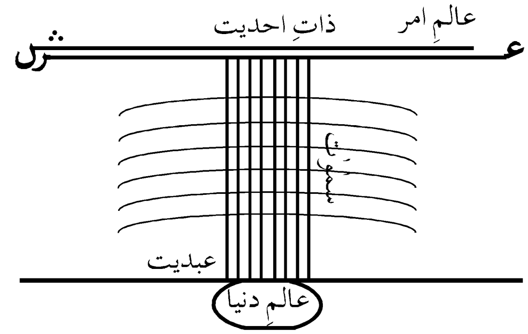

ایک روز نقشہ بنا کر فرمایا: رسول پاکﷺ اللہ تعالیٰ کا ایک خاص نور ہیں جس کی مثال ایسی ہستی سے ہے جو ایک نورانی مینار کے اوپر تشریف فرما ہو اور اس مینار کا نچلا حصہ زمین پر اس کثیف اور غلیظ دنیا کے اندر موجود ہو اور اوپر کا اعلیٰ حصہ نورٌ علیٰ نور ہو۔ جب تک وہ ہستی اس دنیا میں بشریت کے قالب اور بشری شکل میں تشریف نہ لائے اور اس پُر خطا اور گندی دنیا میں مخلوقِ خدا کے ساتھ انہیں جیسی شکل اور انہیں جیسی زندگی میں نہ رہے تو وہ مخلوقِ خدا کو اللہ کی طرف اور اُس پاک نور کی طرف کیسے متوجہ کر سکتی ہے جو اس دنیا سے بہت بلند اور پاکیزہ ترین شے ہے؟ اسی مخلوقِ خدا کی رہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریمﷺ کو ایک عالی اور پُر انوار مقام سے مخلوقِ خدا کے اندر اس سفلی دائرہ میں بھیجا تا کہ وہ مخلوقِ خدا کو شفقت سے، صبر سے اور محبت سے اللہ کا صراطِ مستقیم بتائیں اور آہستہ آہستہ ان کو اس نورانی زندگی کی طرف ہدایت فرمائیں۔ جو انسان کا اصل مقصدِ حیات ہے یعنی قربِ الٰہی اور رضائے الٰہی حاصل کرنا۔ یہی مسئلۂ ھبوط ہے۔

اس مشن کو پورا کرنے کے لئے حضورﷺ نے بے شمار تکالیف اٹھائیں۔ جنہیں صبر و ہمت اور استقامت سے برداشت فرمایا اور تمام انسانیت کے لئے ایسا اسوۂ حسنہ اور مکمل دین اسلام قائم فرمایا جو رہتی دنیا تک رہنمائی کا بہترین نمونہ ہے اور سلوک کی تکمیل اسی کے اتباع سے ممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نورانی ہستی (نبی پاکﷺ) سے قلبی تعلق، محبت، اطاعت اور ایمان لانا فرض قرار دیا گیا ہے۔

دینِ اسلام

ابتدائے انسانیت سے ہی جب خالقِ کائنات نے ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کو کرۂ ارض پر اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا تو انسانی ہدایت کا بھی پورا انتظام فرمایا۔ چنانچہ فرمانِ الٰہی ہے:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ O ﴿الاعراف:35﴾

''اے بنی آدم! جب ہمارے پیغمبر تمہارے پاس آیا کریں اور ہماری آیتیں تم کو سنایا کریں تو ان پر ایمان لایا کرو۔ جو شخص ان پر ایمان لا کر اللہ سے ڈرتا رہے گا اور اپنی حالت کو درست رکھے گا تو ایسے لوگوں کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔''

چنانچہ تاریخِ عالم گواہ ہے کہ انسانی ہدایت کے لئے پیغمبروں کا ایک طویل سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے تا حضور اکرم خاتم الانبیاءﷺ تک جاری رہا۔ یہ وہی دین ہے جس کے متعلق فرمایا گیا:

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ﴿آل عمران :19﴾

''دین (معیارِ حق و باطل) تو اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے''

حضور اکرمﷺ سے قبل دین اسلام مکمل نہیں تھا۔ حالاتِ زمانہ اور انسانی ذہنی ترقی کے مختلف مدارج کے باعث جزوی دین کا اجرا قائم رکھا گیا۔ جب نبی پاکﷺ کے دور مبارک میں ذہنی اعتبار سے انسان اس لائق ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے آخری اور مکمل دین کو سمجھ سکے اور اس کو اپنے لئے مشعلِ راہ بنا سکے تو دین اِسلام کی تکمیل فرما دی گئی۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴿المائدہ:3﴾

''اے حبیبؐ! آج کے دن ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دی ہیں اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند کیا ہے''

حضرت موسیٰؑ قانون، حضرت داؤدؑ دعا اور مناجات اور حضرت عیسیٰؑ زہد و اخلاق لے کر آئے۔ مگر محمد رسول اللہﷺ قانون بھی لائے، دعا و مناجات بھی اور زہد و اخلاق بھی۔ اب سب کا مجموعہ الفاظ و معانی میں، قرآن اور احادیث میں اور عملی نمونہ سیرتِ محمدیﷺ میں ہے۔

حسن یوسف، دمِ عیسٰی، یدِ بیضاداری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

فرمایا: دین اسلام حاوی الکل جزوِ حقیقتِ محمدیﷺ ہے۔ حقیقتِ محمدیﷺ کے دو رُخ ہیں۔ ایک خالق کی طرف اور دوسرا مخلوق کی طرف۔ دین اسلام اس رخ میں ہے جو روبہ خلق ہے اور محمدﷺ اس کے مظہر اتم اور متبع کامل ہیں۔

فرمایا: میں نے تمام علومِ دینیہ کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا او اسلامی علوم سے جب تقابل کیا تو باقی سب ادیان کی نفی ہوگئی اور دین اسلام ثابت ہوا تو میں مسلمان ہوا۔ اس لئے نہیں کہ مسلمانوں کے گھر پیدا ہوا تھا۔ حقیقتِ دین واضح ہونے پر اس کے سوائے سب عقائد معدوم ہو گئے۔ صرف محمدیﷺ دستور العمل باقی رہا۔ جو اسلام بطور صراطِ مستقیم ہے۔

فرمایا: فرمانِ الٰہی ہے:

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿آل عمران:85﴾

''اور جو شخص اسلام کے سوا کوئی دوسرا دین اختیار کرتا ہے، اسکی طرف سے وہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہوگا''

اسلام، ایمان اور نسبت رسولیﷺ

فرمایا: حدیث مبارکہ ہے کہ ایک بدو نے حضور نبی اکرمﷺ سے کہا ''آپ نے فلاں شخص کو نوازا اور مجھے محروم رکھا'' آپﷺ نے جواب میں فرمایا ''وہ شخص مردِ مومن ہے''۔ بدو نے کہا ''میں بھی تو مردِ مومن ہوں''۔ آپﷺ نے ارشاد فرمایا ''تم تو محض مسلمان ہو۔ کیا یہ ٹھیک نہیں؟''

اس سے معلوم ہوا کہ محض اقرارِ زبانی اَور شے ہے اور تصدیق قلبی اور شے۔ قرآن پاک میں ہے:

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ۭ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ ﴿الحجرات:14﴾

''یہ دیہاتی (بدو) کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ تم یوں کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں اس لئے کہ ایمان تو ابھی تمہارے دلوں میں داخل ہوا ہی نہیں ہے''

معلوم ہوا کہ از روئے قرآن مجید ''اسلام'' اور ''ایمان'' دو درجے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے ''ہر نومولود فطرتِ اسلام کے مطابق پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اسے یہودی، عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔'' جو مسلمان کے گھر پیدا ہوتا ہے گو وہ اسلامی عقائد و اعمال کی تعلیم کا زبانی اقرار تو کرتا ہے مگر عموماً مکلّف ہونے کے باوجود بھی اسے اسلامی عقائد پر نہ پورا اعتماد ہوتا ہے اور نہ ہی ان پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ وہ رسمی طور پر مسلمان کہلا سکتا ہے۔

ایمان اقرارِ زبان اور تصدیقِ قلبی کے ساتھ اللہ اور اس کے رسولﷺ کے تمام احکام پر عمل کرنے کا نام ہے اور وہی شخص مومن ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ﴿الحجرات:15﴾

''مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسولﷺ پر ایمان لائے۔ پھر شک میں نہ پڑے اور اللہ کی راہ میں مال اور جان سے لڑے۔ یہ لوگ ایمان کے سچے ہیں''

دوسری جگہ فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْ وَعَمِلُو الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿حٰمٓ السجدہ:8﴾

''جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کرتے رہے ان کے لئے ایسا ثواب ہے جو ختم ہی نہ ہو''

جب انسان کو درجۂ ایمان حاصل ہو جاتا ہے تو اس سے بلند تر درجہ حاصل کرنے کے لئے اللہ کا فرمان ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُو اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿المائدہ:35﴾

''اے ایمان والو! خدا سے ڈرتے رہو اور اس کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ تلاش کرتے رہو اور اس کے رستے میں جہاد کرو تاکہ تم فلاح یاب ہو جاؤ''

دوسری جگہ یوں ارشاد فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَكُوْنُوْ مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿التوبہ:119﴾

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور راست بازوں کے ساتھ رہو''

معلوم ہوا کہ قربِ الٰہی حاصل کرنے کے لئے وسیلہ کی تلاش اور صحیح تعلق قائم کرنے کی ہدایت ہے۔

پس وہ وسیلہ صادق مرشدِ کامل ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ج ﴿لقمن:15﴾

''اور جو شخص میری طرف رجوع لائے اسی کے رستے پر چلنا''

جہاں سے نسبت رسولی ﷺ کا خزانہ مل سکتا ہے اور حدیثِ جبرائیل کے مطابق احسانی کیفیت حاصل ہوتی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے اس احسانی کیفیت کو یوں بیان فرمایا ہے۔ **اِنْ تَعْبُدُ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ وَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهُ يَرَاكَ** یعنی جب تم اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو تو ایسا ہو کہ تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہ دیکھ سکو تو وہ یقیناً تمہیں دیکھ رہا ہے۔ یہی احسانی کیفیت ہے اور یہی نسبت رسولی ﷺ کا اثر ہے۔

معلوم ہوا کہ اسلام سے بالاتر درجہ ایمان کا ہے اور ایمان سے نسبت رسولی ﷺ کی حیثیت بہت بلند ہے۔

سعدیؒ فرماتے ہیں:

مپندار سعدی کہ راہِ صفا توان یافت جز در پے مصطفٰے

خلافِ پیمبر کسے راہ گزید کہ ہرگز بہ منزل نہ خواہد رسید

نسبت رسولی ﷺ کے حصول کے لئے طریقت کا سمجھنا اور عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔

طریقتِ نسبت رسولی ﷺ

فرمایا: باہمی تعلق اور پیوستگی کو نسبت کہا جاتا ہے۔ جب یہ نسبت قلبی اور روحانی طور پر حضور پاک ﷺ کے ساتھ پختہ ہو جاتی ہے تو انسانی دل آلودگئی دنیا سے متنفر ہو جاتا ہے اور اچھی اچھی صفات اس میں متمکن ہو جاتی ہیں تو اس تمکین اوصافِ حمیدہ سے طمانیت قلب حاصل ہوتی ہے۔ اس طمانیتِ قلب کو اصطلاح سلوک میں نسبت کہتے ہیں اور چونکہ ایسی نسبت حضور پاک ﷺ کی غلامی کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے اسی لئے اسے نسبتِ رسولی ﷺ کہا جاتا ہے۔

قرآن حکیم میں ہے:

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ لا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿الاعراف: 157﴾

''پس جو لوگ ایمان لائے ان (نبی کریم ﷺ) پر اور انہوں نے ان کی تعظیم و توقیر کی اور انکی نصرت کی اور جنہوں نے اس نور کا اتباع کیا جو ان کے ساتھ نازل کیا گیا وہی لوگ حقیقت میں فلاح یاب ہوں گے''

فرمایا: اس آیت میں حضور اکرم ﷺ سے نسبت قائم کرنے کی بنیادی شرائط کا ذکر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ نبی اکرم ﷺ پر ایمان لانا، ان کی تعظیم وتکریم کرنا جس سے نبی اکرم ﷺ کا ادب، ان سے محبت، انکی اطاعت اور اتباع لازم آتی ہے اور تبلیغ رسالت میں ان کی نصرت کرنا اور ان پر نازل شدہ نورِ ہدایت (کتاب وسنت) کی پیروی کرنا شامل ہیں۔

فرمایا: اس آیت میں مُسند پر حصر ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جب تک یہ تمام شرائط ثابت نہ ہوں نسبت رسولی ﷺ قائم نہیں ہوسکتی۔ اگرچہ قرآن پر بھی عمل ہے اور ایمان بھی ہے۔ لیکن اگر حضور ﷺ کا ادب اور انکی محبت نہیں تو فلاح نہیں ہوسکتی۔

فرمایا: حضور نبی اکرم ﷺ نے مندرجہ بالا بنیادوں پر صحابہ کرام میں یہی صفات پیدا کیں اور انہیں نسبت رسولی ﷺ کے رنگ میں رنگ دیا اور وہ مثالی انسان (Super men) بن گئے۔

فرمایا: نبی اکرم ﷺ بیک وقت شاہد، مبشر، نذیر، داعی، سراجِ منیر تھے۔ اور آپ کی سیرتِ پاک کو ہر حیثیت سے مکمل دائمی اور ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا گیا اور یہی ختمِ نبوت کی سب سے بڑی عملی دلیل ہے۔

طریقت نسبتِ رسولی ﷺ سمجھانے کے لئے ایک نقشہ بنایا۔

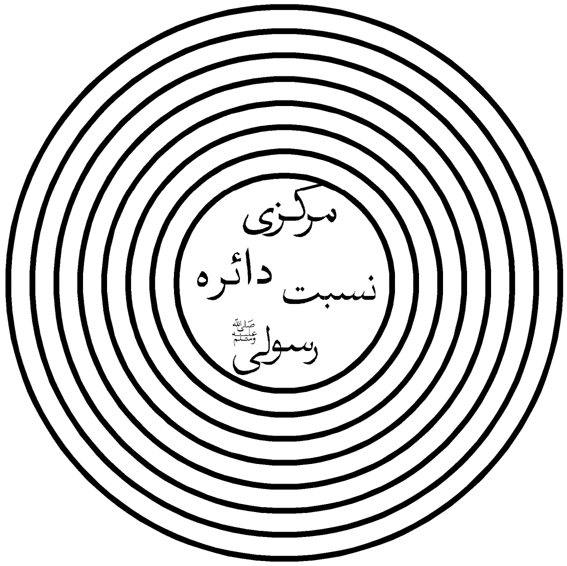

1۔ **فرمایا:** اس مرکزی مقام کی مثال ایسی ہے کہ پانی کے ایک تالاب میں کوئی کنکر یا پتھر ماریں تو اس مقام سے باہر کی طرف دائروں کی صورت میں پانی کی لہریں پھیلتی جاتی ہیں مگر وہ کنکر یا پتھر اپنی جگہ پر مرکزی دائرہ میں قائم رہتا ہے یہی مرکزِ حقیقت ہے اور یہی مقام احدیت نورانی ہے۔ اسی نورانی دریا میں حضور ﷺ کے اصحاب کرامؓ نورانی

مچھلیوں کی طرح تیرتے تھے اور ماسویٰ اللہ کی آلائش سے پاک تھے۔ یہی صحابہ کرامؓ کا دائرہ عمل ہے اور یہی طریقت نسبت رسولی ﷺ کا مقام ہے۔

طریقہ حقہ نسبت رسولی ﷺ والے لوگ اس مرکزِ حقیقت کے مقام پر قائم ہیں اور بیرونی اثرات سے محفوظ ہیں۔

2۔ **فرمایا:** دراصل زندگی ایسی ہونی چاہیے جس کا نمونہ حضور ﷺ نے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ حضور ﷺ نے پیغمبری بھی کی، بادشاہت بھی کی، شادی بھی کی، غزوات بھی لڑے، انصاف بھی کیا، درویشی بھی کی، سپہ سالاری بھی کی وغیرہ وغیرہ۔ یعنی سب کام دنیا کے کرتے ہوئے بھی مالک الملک کی بارگاہ میں ہر وقت حاضر رہے اور یہی نسبت رسولی ﷺ کا خاصہ ہے۔ نبی پاک ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہی انسان کے لئے کامیاب شخصیت سازی کی بنیاد ہے۔

3۔ **فرمایا:** دنیا میں صرف دو طرح کے انسان ہیں ایک باخدا اور دوسرے نفس پرست۔ یا تو انسان بندۂ خدا ہوتا ہے یا بندۂ نفس۔ جب انسان بندۂ خدا یا دل سے مالک الملک کا غلام ہو جاتا ہے تو اس کی ہر حرکت اور تمام زندگی عبادت ہو جاتی ہے اور یہ درجہ حضور ﷺ کی ظاہری اور باطنی مکمل متابعت اور ان کے طریقہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ پھر نہ کوئی طریقت ہے نہ شریعت نہ معرفت اور نہ حقیقت۔ دین اسلام وہی ہے جو رسول پاک ﷺ نے ہمیں نسبت رسولی ﷺ کی صورت میں عطا کیا ہے۔ اگر کوئی شخص نفس پرست ہو تو اس کی ہر حرکت اپنے نفس کے ماتحت ہو گی اس لئے سراسر غلط ہو گی اور اگر خدا پرست ہے تو وہ قرآن وسنت کا پابند رہ کر رضائے الٰہی کا متلاشی ہو گا جس کا واحد ذریعہ نسبت رسولی ﷺ حاصل کرنا ہے۔

4۔ **فرمایا:** ایک بہت بڑی دولت جو ساری کائنات، عالمِ بالا اور عالمِ ملکوت سے فوق الفوق ہے ایک دریائے نور ہے وہ حقیقتِ محمدی ﷺ ہے اگر اس حقیقت کا ایک جز و کسی نبی یا ولی میں آیا تو وہ جزوی تھا کلی نہیں تھا۔ اس کی مثال بجلی کے پاور ہاؤس (Power House) کی مانند ہے۔ بجلی پاور ہاؤس سے نکل کر آتی ہے جو شہر بھر کے تمام بلبوں کو جو اس سے منسلک ہیں روشن کر دیتی ہے البتہ ان کی روشنی ان کی اپنی اپنی استعداد کے مطابق ہوتی ہے۔ اب غور کریں ایک جگہ لاکھوں بلب پڑے ہوں تو جب تک ان کا تعلق (Connection) پاور ہاؤس سے نہیں ہوتا وہ بلب روشن نہیں ہوتے اور بے فائدہ ہیں اگرچہ وہ سالہا سال وہیں پڑے رہیں۔ اصل ضرورت ان کے صحیح کنکشن (Connection) یا پیوستگی یا تعلق یا نسبت قائم کرنے کی ہے۔ یہی حال انسان کا ہے جسے نسبت رسولی ﷺ حاصل کرنے کا موقع اس زندگی میں ہر وقت موجود ہے۔

5۔ فرمایا: ہر انسان کی حقیقت بجلی کے بلب کی طرح ہے اس میں روشنی حاصل کرنے کی اہلیت اور مادہ فطری طور پر موجود ہے صرف تھوڑی سی کوشش اور سمجھ سے خیال کو ٹھیک کرنا ہے اور حقیقتِ محمدی ﷺ کے نور (پاور ہاؤس) سے اپنے قلب کو منسلک کرنا ہے جو نسبت رسولی ﷺ کے حاصل کرنے کا اصلی مرکز اور ذریعہ ہے۔ تمام اصحابِ کبار، اولیاء کرام اور صوفیائے عظام اسی دریائے نور (نسبت رسولی ﷺ) کی تیرتی ہوئی مچھلیاں ہیں۔

6۔ فرمایا: ایک وقت تھا کہ لوگ صحیح طور پر مومن تھے خدا کے دوست تھے ایسے لوگوں کی حرکات وہی تھیں جو رسول خدا ﷺ کی تھیں کیونکہ ان کے باطن میں بھی خدا اور حبیب خدا ﷺ کی بے حد محبت تھی۔ ایک سمندر یا دریائے نور تھا جس میں بے حساب مچھلیاں تیرتی اور خوش خوش رہتی تھیں ان لوگوں کا ظاہر و باطن ایک جیسا تھا۔ اس وقت قرآن حکیم اور احکام الٰہی اور دین ایک جسم تھا اور یہ اس کے اعضاء تھے جو باہمی طور پر ہم آہنگ تھے اور نسبت رسولی ﷺ کو حاصل کئے ہوئے تھے اور دنیا میں کامیاب تھے۔

مثلاً حضرت عمرؓ ایک ہی وقت میں اعلیٰ درجے کے فقیہ، اچھے صوفی اور بہت بڑے دنیوی سلطان تھے۔ وہ مخلوق خدا کو خدا سے ملانے میں بھی مصروف تھے اور ان کی دنیوی اور ظاہری خدمت بھی کرتے تھے۔ الغرض نسبت رسولی ﷺ کی وجہ سے ایک انسان کے اندر وہ تمام صفات ہم آہنگی سے موجود تھیں۔ مگر جب نسبت رسولی ﷺ میں فرق پڑنے لگا تو ایسا وقت آیا کہ عالم، صوفی، حاکم، اہل حرفہ وغیرہ جدا جدا ہو گئے اور سب ایک دوسرے سے الگ الگ ہو گئے۔ تو ہم آہنگی ختم ہو گئی اور فتنہ وفساد کا شکار ہو گئے۔ اب باہمی آہنگی اور اتحاد نسبت رسولی ﷺ کی بنیاد پر ہی ممکن ہے۔

7۔ فرمایا: نسبت رسولی ﷺ آج بھی بڑے آب وتاب سے سینہ بہ سینہ اولیائے کرام کے وجود سے دنیا میں موجود ہے۔ یہ اسی طرح ہے کہ جیسے کسی پاور ہاؤس میں بجلی ہر وقت بنتی ہے اور تیار اور موجود رہتی ہے اگر کسی گھر یا فیکٹری کی اندرونی تاریں اور کنکشن (Connection) صحیح ہوں تو صرف سوئچ (Switch) کھولنے سے فوراً بجلی اس مکان میں آ جاتی ہے اور وہ جگہ روشن ہو جاتی ہے اور جگمگا اٹھتی ہے۔ یہی حال انسانی وجود کا ہے۔ جب کسی خوش قسمت شخص کا کسی صاحبِ حال وکمال بزرگ سے تعلق باطنی ہو جاتا ہے تو اس شیخ کامل کی توجہ سے ایسے شخص کا سینہ اپنی اپنی استعداد کے مطابق روشن ہو جاتا ہے اور یہ نسبت رسولی ﷺ کا کرشمہ ہے اور یہ زندگی کے ہر مرحلے پر ممکن ہے۔

8۔ فرمایا: مسلمان کو اللہ تعالیٰ نے دو قوتیں ایسی عطا کی ہیں جو دشمنانِ اسلام کو نہیں ملیں۔ ایک قوتِ ایمانی یعنی اس

کے سادہ اور پختہ عقائداور دوسری قوتِ عمل یعنی اس کی عبادات ومعاملات ۔ان دونوں کی مکمل رہنمائی اس نے اپنے حبیب پاک ﷺ کے ذریعہ سے عطا کی ہے۔انہی عقائد کی بنا پر دنیاوآخرت میں مسلمان کی کامیابی ان دونوں قوتوں کی بنیاد پر منحصر ہے۔ان دونوں قوتوں کا انحصار نسبت رسولی ﷺ کے حصول پر ہے۔جتنی گہرائی اور گیرائی اس کی نسبت رسولی ﷺ کے حصول میں ہوگی اسی تناسب سے اس کی یہ دونوں قوتیں بیدار ہوں گی اور اس کی کامیابی کی گارنٹی ہوں گی۔اس کا ثبوت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی زندگیوں سے نمایاں ہے۔

9۔ فرمایا: انسانی زندگی جسم اور روح سے مرکب ہے۔انسان اپنے جسم کے متعلق تو بہت کچھ واقفیت رکھتا ہے اور اس کے لئے کئی قسم کے طریقہ ہائے علاج بھی معلوم کر لئے ہیں۔مگر روح کے متعلق جو جسم انسانی کی اصل ہے۔ انسانی علم بہت ہی قلیل ہے۔اسی لئے عصرِ حاضر کا انسان روحانی بیماریوں کی یلغار میں ہے اور حیران و پریشان ہے۔

چونکہ روح کا تعلق نور سے ہے اس لئے روحانی بیماریوں کا علاج بھی نور سے ہوگا۔نفاق، کفر اور شرک یہ ایسی ہی روحانی بیماریاں ہیں۔فرمانِ خداوندی ہے۔

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿البقرۃ:10﴾

''ان کے دلوں میں مرض (نفاق، کفر، شرک) تھا۔خدا نے ان کا مرض اور زیادہ کر دیا اور
ان کو دکھ دینے والا عذاب ہوگا''

ظاہر ہوا کہ جو ان بنیادی روحانی بیماریوں کا علاج نہیں کریگا وہ عذاب الیم کا مستحق ہوگا۔

نیز جوں جوں مادہ پرستی کا خول انسانی زندگی پر چڑھتا جا رہا ہے توں توں روحانی امراض کا دائرہ وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔نفسیاتی اور روحانی بیماریاں نمودار ہو رہی ہیں مثلاً جنسی بے راہ روی، منشیات خوری، ذہنی انتشار، اعصابی بیماریاں، قلبی اضطراب و بیقراری، تفکرات، حسرت و یاس، تنگیٔ زیست، خوف و حزن وغیرہ۔اگرچہ ان بیماریوں کا مادی بنیادوں پر علاج کرنے کی بھی کوشش کی جا رہی ہے مگر خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوتی۔ اصل کامیابی کا مدار خدا تعالیٰ اور رسولِ خدا ﷺ کے ساتھ صحیح تعلق اور ان کے احکام کی پیروی میں ہے۔

الغرض نسبتِ رسولی ﷺ والے ہی اولیاء اللہ کا مقام حاصل کرتے ہیں۔جن کے متعلق فرمانِ الٰہی ہے۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿یونس:62﴾

''سن رکھو کہ جو خدا کے دوست ہوں ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے''

طریقت نسبت رسولیﷺ اور دیگر سلاسلِ طریقت

فرمایا: اکثر سوال کیا جاتا ہے کہ ہمارا سلسلۂ طریقت کیا ہے؟

ایک نقشہ بنا کر سمجھایا:

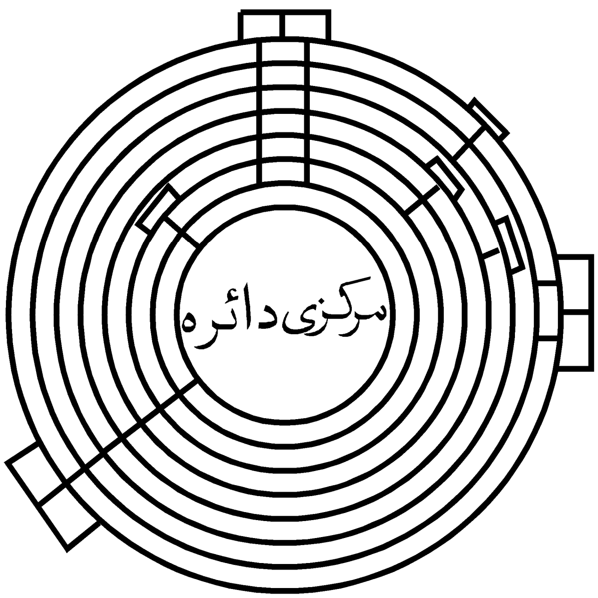

1۔ ہمارا سلسلۂ طریقت نسبت رسولیﷺ ہے۔ جیسا کہ نقشہ میں مرکزی دائرہ کا مقام دکھایا گیا ہے۔ یہی مقامِ احدیت (نورانی) ہے۔جس کے نورانی دریا میں حضورﷺ کے صحابہ کرام نورانی مچھلیوں کی طرح تیرتے تھےاور ماسویٰ اللہ کی میل سے پاک تھے۔

اس مرکزی دائرہ کے بیرونی دائرے باقی سب سلاسلِ طریقت کے دائرے ہیں ان سب کوفروعاتی وجوہات پر امتیاز حاصل ہوا ہےان سب کا دعویٰ تو مرکزی دائرہ تک پہنچنے کا ہےمگر مرورِ زمانہ کی وجہ سے یہ بیرونی دوائر میں ہی گم ہوکر حقیقت سے دور رہ جاتے ہیں۔

اصل چیز حلقہ نسبت رسولیﷺ میں داخل ہوکر قربِ الٰہی حاصل کرنا ہے جولوگ فضل ایزدی سے اور شیخ کامل کی توجہ سے اس مرکزی دائرے میں داخل ہوجاتے ہیں وہ فروعاتی اختلافات سے محفوظ ہوجاتے ہیں۔

2۔ فرمایا:نسبت رسولیﷺ والے صوفی کی کسی کے ساتھ مخالفت نہیں۔بعض مولوی صاحبان کی باہمی مخالفت تو پرانی چیز ہے اور انہی کی وجہ سے بہت جھگڑے فساد بھی رونما ہوتے رہتے ہیں لیکن نسبت رسولیﷺ کو حاصل

کرنے والے اصحاب ان جھگڑوں سے علیحدہ ہو کر اپنی اس دولت کو لئے ہوئے پہلی صدی ہجری میں ہی جدا ہو گئے اور چونکہ یہ لوگ بالعموم صوف پہنتے تھے اس لئے صوفی کہلائے۔ بعض لوگوں کا یہ خیال کہ تصوفِ اسلام پر یونان کے فلسفہ کا اثر تھا یا اسی قبیل کی دوسری باتیں وہ سب غلط ہیں اور جہالت پر مبنی ہیں۔

3۔ فرمایا: تاریخِ اسلام سے ثابت ہے کہ چوتھی صدی سے آٹھویں صدی ہجری میں کئی اولیائے کرام سے منسوب کئی سلاسلِ طریقت امتِ مسلمہ میں رائج ہوئے۔ جن میں سے چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ زیادہ مشہور ہیں۔

جن اولیاء اللہ سے یہ سلاسل منسوب ہیں ان کے سوانح حیات اور تعلیمات سے واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے لوگوں کو محض نسبت رسولﷺ کی تعلیم دی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی میں نہ تو خود اپنے سلسلہ کا نیا نام تجویز کیا اور نہ ہی اپنا ایسا القاب اختیار کیا۔ کافی عرصہ بعد ان کے عقیدت مند ان نے اپنے اپنے شیخ کے نام سے نسبت کو مشہور کیا جس کی وجہ سے ان طریقوں کی نئی پہچان جاری ہو گئی۔ اسی طرح ان معروف سلاسل کے علاوہ عالمِ اسلام میں مزید سلاسلِ طریقت بھی نمودار ہوتے رہے ہیں اور آئے دن خود ساختہ طریقے رائج ہو رہے ہیں۔ جن سے فروعی بنیادوں پر فرقہ بندیاں بڑھ رہی ہیں۔

فرقہ بندیوں کا زہر

فرمایا بمرورِ زمانہ کے اثرات سے فروعی اختلافات کی بنا پر امتِ مسلمہ میں فقہی فرقہ بندیاں نمودار ہوئیں۔ بعد میں اہل طریقت کہلانے والوں نے بھی باہمی مغائرت شروع کر دی اور لوگوں نے اپنے اپنے طریقوں کو مقصودِ بالذات سمجھ لیا اور ان میں ان کے بارے میں عصبیت راہ پا گئی۔ ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے لگے بلکہ دوسروں کی تحقیر کرنے لگے۔ اس طرح شریعت اور طریقت جو اصل میں باہمی پیار اور ہم آہنگی کا ذریعہ تھیں وہ مغائرت کا سبب بن گئیں۔ حالانکہ یہ بھی غلط اور فروعی بات تھی کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے اصحاب کبار کو مختلف طریقوں کی اختلافی تعلیم نہیں فرمائی تھی۔ اصولی طور پر انہیں صرف ایک ہی تعلیم دی تھی اور وہ نسبت رسولﷺ کا حصول تھا جو خدا کی رضا حاصل کرنے کا بہترین طریقہ تھا۔ دینی مسائل میں حقیقی اختلاف رائے مسنون ہے۔ مگر فروعی اختلافات میں تعصّبانہ مخالفت اور شدت سے فرقہ بندیوں کا شیطانی زہر امتِ مسلمہ میں سرعت سے سرایت کر رہا ہے۔ اس لئے موجودہ حالات میں مشائخ کرام اور علمائے عظام کا اولین فرض یہ ہے کہ وہ امتِ مسلمہ کو نسبت رسولﷺ کی بنا پر فرقہ بندیوں کے زہر سے محفوظ کریں۔

رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ

فرمایا: قرآن حکیم نے حضور انور نبی پاک حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے متعلق اعلان فرمایا:

لَقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِیۡ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنۡ كَانَ يَرۡجُوا اللّٰهَ وَالۡيَوۡمَ الۡاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيۡرًا ﴿الاحزاب:21﴾

''بلاشبہ تمہارے لئے (محمد ﷺ) رسول اللہ (کی سیرت) میں احسن نمونہ ہے۔ اُس کے لئے جو اللہ تعالیٰ کے ملنے اور آخرت کی امید رکھتا ہے اور اللہ تعالی کو کثرت سے یاد کرتا ہے''

چنانچہ مسلمانوں کے کلچر اور ثقافت کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر ہے اور انفرادی اور اجتماعی شخصیت سازی کا بہترین معیار ہے۔

اگر تاریخِ عالم میں سارے انسانوں کے لئے کسی کے اخلاق کو قابل تقلید نمونہ بنایا جا سکتا ہے تو وہ حضور اکرم ﷺ ہی کا اخلاق حسنہ ہے۔ حضور ﷺ کا مقصدِ بعثت ہی یہ بتایا گیا ہے۔ **بُعِثۡتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الاخلاق** (میں صرف نیک اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں)۔ نبوی ﷺ اخلاقِ حسنہ ہی اخلاق اللہ ہیں۔ حدیث مبارک **تَخَلَّقُوۡا بِاَخۡلَاقِ اللّٰهِ** سے مراد نبی پاک ﷺ کے اخلاق اختیار کرنا ہے۔

فرمایا: زندگی کی حقیقی کامیابی (دنیوی و اُخروی) اُنہیں حاصل ہو سکتی ہے جو اپنی زندگی اس طرح بسر کریں جس طرح رسول اللہ ﷺ نے معاشرے میں بسر کی کیونکہ مطمئن اور صحیح زندگی گزارنے اور اپنی حقیقی منزل مقصود حاصل کرنے کی ایک ہی راہِ مستقیم ہے جو حضور ﷺ کی راہ ہے۔

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیۡ مُسۡتَقِيۡمًا فَاتَّبِعُوۡهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمۡ عَنۡ سَبِيۡلِهٖ ط ﴿الانعام:153﴾

''اور یہ کہ میرا سیدھا رستہ یہی ہے تو تم اسی پر چلنا اور راستوں پر نہ چلنا کہ (ان پر چل کر) اللہ کے رستے سے الگ ہو جاؤ گے''

چنانچہ نسبت رسول ﷺ کا یہی تقاضا ہے۔

حقیقتِ انسان

اعلیٰ حضرتؒ نے اپنے تحریر شدہ مضمون کی نقل عطا فرمائی:

''انسان جو از روئے خلق مجموعہ انوار الٰہی ہے اس کی حقیقت ذاتِ احدیت سے علیحدہ نہیں ہے بلکہ تغیر ظہور ہے اور نہایت مختصر مہلت لے کر دنیا میں آیا ہے اور اس مہلت کے ساتھ نہایت عظیم الشان فضائل وحقائق کے خزانے کا مالک ہوا۔ اسے نہایت اعلیٰ، پاکیزہ اور نوری حقیقت کی صورت میں پیدا کیا گیا اور یہ عالمِ خلق میں بشریت کے ظرف میں متمکن ہوا۔ اندریں صورت انسان کی اس زندگی کو فطرتاً دو رُخ حاصل ہوئے۔ ایک وہ نوری حیثیت جو اوّلین زندگی ہے دوسرے بشری حیثیت جو ثانوی زندگی ہے۔

از روئے فطرت نوری حیثیت جسے روحانی زیست کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہ روحانی تغذیہ سے قائم ہے اور بشری حیات بھی عالمِ خلق کے عنصری تغذیہ سے قائم ہے۔ اب دو قسم کی حیات کے قیام کے اسباب قائم نہیں تو وہ زندگی ضعیف ہوگی حتیٰ کہ روبہ تنزل ہو کر وہ زندگی معدوم ہو جاتی ہے۔

جب انسانی بشریت غالب اور روحانیت مغلوب ہو جاتی ہے تو انسان بشریت میں محو ہو کر اس دنیا کے عارضی اور لا اعتباری آرام و دولت کا منقاد اور فرمانبردار ہو جاتا ہے اور مقصد حیات سے بہت دور جا پڑتا ہے۔ حالانکہ مدعا یہ تھا کہ اس ظلِّ بشری سے مل کر زیادہ چمک حاصل کرتا اور نفسانی محسوسات پر غلبہ حاصل کر کے ذاتِ احدیت میں زیادہ حقدار بنتا۔ بجائے اس کے وہ حقیقت مفقود ہو گئی اور اصلی مدعا عالمِ خلق میں آنے کا فوت ہو گیا۔ اب سوائے ندامت اور ذلّت کے کچھ ہاتھ نہ آیا۔ اب ایک حکیم اور مسیحا کی ضرورت پیدا ہوئی کہ جس کی ہدایت اور علاج کے ذریعے اس روحانی حیات کو بیدار کیا جائے اور روحانی تغذیہ کے ذریعے اس کو اس قدر قوی کیا جائے کہ ملکیت بشریت پر غالب آ جائے۔ یہ کیفیت ہر انسان کے ساتھ شخصی طور پر اور اقوام کے ساتھ مجموعی طور پر وابستہ ہے۔''

کشف

اعلیٰ حضرتؒ کے تحریر شدہ مضمون کی نقل:

''سالک کو جو چیز مقصودِ بالذات ہے وہ علم ہے۔ علم کی دو بڑی قسمیں ہیں (1) علمِ الٰہی (2) علمِ مخلوق۔

علمِ الٰہی کی تحصیل کی کیفیت یہ ہے کہ انسان کو راہِ سلوک میں جبکہ وہ قربِ ذات کے لئے صفات میں متوجہ ہوتا ہے تو اس راستہ کا دروازہ اس پر کھلتا ہے۔ جو چیز نوری کیفیات سے ظہور پذیر ہو وہ گویا علم میں آ چکی اس لئے مخلوق ہے۔ اس صورت پر سالک کو بے شمار کیفیات انوار و مضامین رنگین علم میں آتے ہیں۔ اس طرح جو چیز منکشف ہوتی ہے

وہ وہی چیز ہوتی ہے جس کا تعلق ذاتِ احدیت سے ہوتا ہے یا اس کے ملحقات سے۔ یہ کبھی نہایت اختصار سے اور کبھی شرح اور بسط سے ہوتا ہے مگر انسان ان حقائق و اسرار کی طرف ابھی متوجہ نہیں ہو پاتا۔ یہ حالت کشف ہے ان مدارج و کیفیات کو کشفِ ظلی کہا جاتا ہے۔ چونکہ خداوند کریم کی رحمت اور پیر کامل و صادق کی توجہ سے انسان کی یہ استعداد بھی ترقی کرتی ہے جس سے انسان مندرجہ بالا کیفیات سے عروج کرتا ہے۔ ان سے عروج کشفِ حقیقی ہے۔ مگر انسان چونکہ بشریت میں قائم ہے اس لئے اس قسم کے علمی انعامات اسے دیئے جاتے ہیں لیکن قرب نہیں ملتا۔ البتہ جبکہ انسان پر عشق کا غلبہ آ جائے اور اس کی توجہ مضبوط ہو جائے تو انسان کی حقیقتِ قائمہ معدوم ہو جاتی ہے لہٰذا بشریت کی نفی کے بعد جو کچھ ہے وہ قرب اور ذات احدیت ہے مگر اس سلسلے میں ان علوم و مدارج کا کشف جو کہ مخلوق سے خالق کی ذات احدیت کو پہنچے۔ یہ کشف مقصودِ بالواسطہ ہے تاہم یہ کشف بھی مقصودِ بالذات نہیں ہے۔ اس کو کشفِ الٰہی کہتے ہیں۔

ان معاملات کو جاننا سالک اور صوفی کا کام ہے۔ عوام، علما، برائے نام صوفیوں کو اس سے دور کا بھی واسطہ نہیں نیز جو لوگ کشف سے مراد اس کے علاوہ کوئی اور چیز لیں وہی ضالین ہیں۔ **نعوذ بالله من ذالک**

حضور پاکﷺ کا بشر ہونا

فرمایا: حضور اکرمﷺ وہ خدائی نور ہیں جو سب سے پہلے پیدا کیا گیا اور باقی کائنات حضورﷺ کے نور سے پیدا فرمائی گئی۔ وہی باعثِ تخلیق کائنات ہیں اور انہیں سے یہ کائنات قائم ہے۔

فرمایا: خدا تعالیٰ نے مخلوق کی ہدایت کے لئے حضور سرور کائناتﷺ کو دنیا میں بشری جامے میں مبعوث فرمایا اور حضورﷺ کو مخلوق کے لئے کامل ترین نمونہ بنایا۔ اگر واعظ اپنے وعظ پر خود عمل کر کے نہ دکھائے تو دوسرا کیا عمل کرے گا۔ مثال کے طور پر حضور پاکﷺ نے ارشاد فرمایا ''حلم اختیار کرو''۔ بندشِ مکہ جب کفار نے بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب سے مقاطعہ کیا جو تین سال شعب ابی طالب میں جاری رہا۔ سخت تشویشناک حالات تھے۔ ان حالات میں نہایت صبر و استقلال سے ثابت کیا کہ حلم کیا چیز ہے یا ''اسلام کو پھیلاؤ''، تبلیغ اسلام کا مکمل انتظام کیا اور ایسا کہ جنگ کر کے بھی دکھائی۔ دندانِ مبارک شہید ہوئے تو جتنی تکلیف اٹھائی اس سے کہیں زیادہ انعامِ خداوندی ملا اور یہ سبق اپنی امت کے لئے چھوڑا کہ تم بھی راہِ خدا میں جان کی پرواہ نہ کرنا اور مصائب آنے پر صبر کرنا۔ غرض انسانی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس کے لئے حضورﷺ کا بہترین اسوہ حسنہ موجود نہ ہو اور یہ محض اس لئے ممکن ہوا کہ حضورﷺ بشری جامے میں تشریف لائے۔

فرمایا: وہ جامہ بشری میں تشریف لائے تو بشریت کو عزت بخشی۔ وہ کون سا بشر ہے جو ان جیسا کبھی بھی ہوا ہے یا ہوگا۔ وہ ایسے بشر تھے کہ ہر ایک کی رہنمائی کا باعث تھے۔ اگر ایک بھوکا حاضرِ خدمت ہوتا تو تسلی پاتا۔ اگر ایک بادشاہ آتا اور اسے اپنے مشغول اور عدیم الفرصت ہونے کی شکایت ہوتی تو یہاں اس سے کہیں زیادہ مشغولیت کے باوجود واصل ذات ہونے کا نمونہ دیکھتا۔ اسی طرح سپہ سالار، چرواہا، تاجر، غرض کوئی بشر ایسا نہیں جس کے لئے حضور پاک ﷺ مکمل نمونہ نہ ہوں اور تمام صفات کمال پر نہ ہوں جن میں کسی قسم کا نقص نہیں۔ اگر نقص کا خیال بھی کیا جائے تو تکمیلِ ایمان میں فرق پڑتا ہے جو قرآن وحدیث کے قطعی منافی ہے۔

فرمایا: حضور ﷺ صرف عالم بشریت ہی میں نہ تھے بلکہ وہ عالمِ ملکوت، عالمِ کون ومکاں اور عالمِ قرب میں بھی تھے۔ بشری جامے میں ہونا ایک پہلو ہے۔ بشریت کا جہاں تک تعلق ہے اس کے احکام موجود ہیں لیکن عالمِ قرب میں ہونے کے باعث دوسرے احکام کے بھی وہ حامل ہیں۔ جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہماری طرح بشر تھے وہ سخت مغالطہ میں ہیں۔

فرمایا: دنیا والے غلیظ ہیں، ذلیل ہیں کیونکہ بشریت ان پر غالب ہے۔ رسول پاک ﷺ نے اسی بشری جامے میں انسانوں کو یہ سبق دیا کہ کس طرح نورانیت کو بشریت پر غالب کیا جاسکتا ہے جو اصلی مقصدِ حیات ہے۔

فرمایا: اللہ تعالیٰ نے رسول پاک ﷺ کا وجود مبارک اکمل ترین بنایا اور انسانی شکل میں دنیا میں بھیجا۔ رسول پاک ﷺ نے ہر انسانی تکلیف ومصیبت سخت ترین درجہ تک نہایت صبر وتحمل سے برداشت کی۔ کوئی شخص اگر اپنا غم حضور سرورِ کائنات ﷺ کے پاس لے گیا تو حضور ﷺ کے غموں کا بوجھ دیکھ کر اپنا غم بھول گیا اور صبر وتحمل کرنا سیکھا۔

مسئلۂ علمِ غیب

فرمایا: حضور ﷺ کے علمِ غیب کے مسئلہ کے متعلق بعض علما نے بہت اختلاف پیدا کر رکھا ہے اور اپنی کم فہمی کی بنا پر ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگائے ہیں۔ حالانکہ دونوں نے افراط وتفریط سے کام لیا ہے اور انہوں نے ایک دوسرے کی مخالفت کے جوش میں کئی باتیں کی ہیں اور ضخیم کتابیں تصنیف کی ہیں۔ جن میں رطب ویابس باتیں درج ہیں اور اس طرح نفسانیت غالب آ گئی ہے اور مسلمانوں کو مغالطے میں ڈال دیا ہے۔

حقیقتِ مسئلہ یہ ہے کہ غیب وہ چیز ہے جس کا مشاہدہ نہ ہو سکے۔ جب حضور اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک شے کا مشاہدہ کروا دیا تو حضور ﷺ کے سامنے کوئی چیز غیب نہ رہی۔ خواہ وہ عالمِ بالا کی چیز ہو یا عالمِ تکوین کی۔ وہ جس طرف متوجہ ہوں تمام چیزیں منکشف ہو جاتی ہیں اور جب چاہتے ہیں وہ سامنے ہوتی ہیں۔

فرمایا: قرآن مجید میں تصریح ہے کہ

وَاَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلَيۡکَ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَعَلَّمَکَ مَا لَمۡ تَكُنۡ تَعۡلَمُ‌ؕ وَكَانَ فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡکَ عَظِيۡمًا﴿النساء : 113﴾

''اور خدا نے تم پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی ہے اور تمہیں وہ باتیں سکھائی ہیں جو تم جانتے نہیں تھے اور تم پر خدا کا بڑا فضل ہے''

اللہ تعالیٰ نے اپنی عطا اور حضور ﷺ کے علم کی کوئی حد بندی نہیں کی۔ ایسی صورت میں کسی بشر کے لئے جائز نہیں کہ حضور ﷺ کے علم کی حد بندی کرے۔ یہ تو عطائے خداوندی ہے جو لامتناہی ہے۔

فرمایا: جیسے ایک شخص کے پاس ہر قسم کی اشیاء موجود ہوں اور وہ صندوق میں رکھی ہوں تو جب وہ کسی چیز کو دیکھنا چاہے تو صندوق کھول کر دیکھ لے۔ اس کے لئے کوئی دشواری نہیں اور کسی دوسرے کو اس پر کوئی اعتراض بھی نہیں ہوسکتا۔ یہی حال حضور اکرم ﷺ کے علمِ غیب کا ہے۔

فرمایا: وہ علم جو ذات سے مخصوص ہے جیسے آسمانوں اور زمین اور ان کے اندر اشیاء اور ان کے ذرات، حرکات، سکنات کا علم جو ہر حال اور ہر وقت ذات کے سامنے عیاں ہے اس پر بحث نہیں۔ ایسا علم خاصۂ ذات ہے۔ ورنہ وحی کے نزول کا انکار ثابت ہوگا کیونکہ وحی اللہ کریم کے غیبِ خاص سے خبر لے کر جناب رسالت ماب پر نازل ہوا کرتی تھی۔

ذٰلِکَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَيۡبِ نُوۡحِيۡهِ اِلَيۡکَ‌﴿یوسف: 102﴾

''یہ کچھ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تمہاری طرف وحی کرتے ہیں''

فرمایا: یہ علمِ غیب نہیں ہے کہ ''کل بارش ہوگی'' یا ''فلاں آدمی کے دل میں یہ بات ہے'' یا ''بھینس کے پیٹ میں نر یا مادہ بچہ ہے'' یا ''اسے فلاں مرض ہے'' یا ''فلاں چیز کھا کر یہ بیمار ہوا'' وغیرہ وغیرہ۔ یہ انسانی علم ہے۔ بعضوں کو علمِ نجوم، بعضوں کو علمِ قیافہ، بعضوں کو علمِ جفر، بعضوں کو علم الاجسام ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو علمِ غیب سے موسوم کرنا کم فہمی اور جہالت ہے۔ البتہ یہ سب علوم ظنّی ہیں اور پست درجہ کی باتیں ہیں۔ موجودہ زمانے میں سائنسی علوم کی ترقی کی وجہ سے کچھ ایسے آلات بھی ایجاد ہوگئے ہیں جو کئی اوجھل باتوں کا پتہ بتا دیتے ہیں تو یہ غیب تھوڑا ہی ہے۔ یہ تو انسانی علوم کا نتیجہ ہے۔

ضرورتِ شیخ

فرمایا: غور طلب بات یہ ہے کہ جب مادی علوم میں سے کوئی علم، دستکاری کے پیشوں سے کوئی پیشہ، فنون

لطیفہ میں سے کوئی فن حتیٰ کہ کھیل کود میں سے کوئی کھیل ایسا نہیں جس کے لئے رہنمائی کی ضرورت نہ ہو تو پھر میدانِ روحانیت کا علم جو ان تمام علوم سے زیادہ لطیف اور تزکیہ نفس کا فن جو تمام فنون سے زیادہ دشوار اور مرتبہ معرفت جو تمام مراتب سے بہت بلند اور جس کی راہ تمام راہوں سے زیادہ نازک اور دشوار ہے یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ کسی قابل رہنما کی مدد اور رہنمائی کے بغیر طے ہو سکے یا خود بخود حاصل ہو جائے۔ اسی لئے مولانا رومؒ نے فرمایا ہے:

قال را بگذار مردِ حال شو
پیشِ مردے کاملے پامال شو

فرمایا: جس طرح جسمانی مریض طبیب یا ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے اسی طرح لازمی ہے کہ امراضِ روحانی کے لئے روحانی طبیب یعنی شیخِ طریقت کی خدمت میں حاضر ہوا جائے کیونکہ طریقت کے لئے شیخ طریقت کی رہنمائی اشد ضروری ہے۔

فرمایا: قرآن شریف دنیا کی ہر نعمت سے پُر ہے۔ تمام اقسام کی مصیبتوں کو دفع کرنے کا ذریعہ ہے اور تمام مقاصد حاصل کرنے کا سبب ہے۔ مگر اس مدعا کو حاصل کرنے کے لئے ایسے شخص کی ضرورت ہے جس کا سینہ رسول خدا ﷺ کا صحیح غلام ہو کر نسبت رسولی ﷺ اور ضیائے ربانی کے انوار سے منور ہو چکا ہو اور قرآن مجید کے معارف و اسرار اس پر منکشف ہو چکے ہوں اور درجۂ تکوین کی عزت حاصل کر چکا ہو۔ اس کی رہبری اور ارشاد و تربیت سے وہ دستور اور طریقہ معلوم ہو سکتا ہے جس سے اصل مقصودِ زندگی حاصل ہو سکتا ہے۔ اگر یہ صورت عمل میں نہ آئے تو اس مدعا کے حاصل ہونے کی امید فضول ہے۔

فرمایا: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ قرآن شریف اور اس کے ترجمے اور تفسیر پڑھ کر ہم سب ضروریاتِ دین پوری کر سکتے ہیں پھر کسی مرشد یا رہبر کی کیا ضرورت ہے؟ مگر یہ خیال غلط ہے۔ کیونکہ یہ روزانہ کا تجربہ ہے کہ عموماً تمام علوم مثل ڈاکٹری یا انجینئرنگ وغیرہ پر بے شمار کتابیں لکھی ہوئی موجود ہیں مگر آج تک محض کتابیں پڑھ کر کوئی ڈاکٹر یا انجینئر نہیں بنا۔ البتہ نیم حکیم یا جعلی ڈاکٹر گھومتے پھرتے ہیں اور اکثر خرابی کا باعث بنتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان علوم کو وہی سمجھا سکتا ہے جو ان کا ماہر ہو اور ان کے گرُ اور اسرار جانتا ہو۔ طب کی کتابوں میں کیمیاگری کے بے شمار نسخے درج ہیں مگر ان نسخوں کو پڑھ کر کبھی کوئی کیمیاگر بنتے نہیں دیکھا۔ بلکہ مشاہدہ ہے کہ ایسا شخص اسی جنون میں اپنی زندگی تباہ کر لیتا ہے۔ البتہ اگر کسی کو اصلی کیمیاگر مل جائے تو وہ نہ صرف کیمیا بنا کر دکھا دے گا بلکہ اس شخص کو بھی کیمیاگر کر دے گا۔ اسی لئے علامہ اقبال نے کہا ہے:

کیمیا پیدا کن از مشتِ گلے
بوسہ زن بر آستانے کاملے

فرمایا: قرآن مجید کے سمجھنے اور سمجھانے والے اولوالباب اصحاب ہی ہیں۔

اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿الزمر: 9﴾

''بے شک نصیحت تو وہی پکڑتے ہیں جو اولوالالباب (صاحبانِ عقل) ہیں''

یہ وہی لوگ ہیں جنہیں خدا نے فراست اور بصیرتِ نوری عطا فرمائی ہے اور ان ہی کی تعلیم و تربیت سے اور انہی کی صحبت میں قرآن فہمی کی یہ دولت حاصل ہو سکتی ہے ورنہ ممکن نہیں ہے۔

فرمانِ الٰہی ہے:

وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ج ﴿لقمن: 15﴾

''اور جو شخص میری طرف رجوع لائے اسی کے رستے پر چلو''

''سبیل'' سے مراد معمولات **''مَنْ اَنَابَ اِلَی''** ہے اور ان سے مراد عبادات ہیں **''اِتَّبِع''** صیغہ امر ہے۔ **مَن اَنَاب** سے مراد وہ مشائخ ہیں جو قرب الٰہی حاصل کئے ہوئے ہیں۔ اس بنا پر مشائخ سے بیعت کرنا ضروری ہوا۔ لیکن وہ مشائخ جو شریعت کے احکام اور موضوعِ طریقت اور اقسامِ بیعت سے بخوبی واقف ہوں۔ مگر جو مشائخ ان ضروری امور سے واقف نہ ہوں ان سے بیعت حرام ہے۔ قاعدہ کلیہ ہے کہ شرط ہمیشہ مشروط سے مقدم ہے جیسا کہ وضو شرط ہے واسطے نماز کے۔ پس نماز پڑھنے سے پہلے وضو کا ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح طریقت میں داخل ہونے کے لئے مردِ کامل کی تلاش اور اس سے بیعت ضروری ہے۔ پھر اس کی رہنمائی میں معمولاتِ شیخ کی اتباع لازم ہو جاتی ہے۔ اپنے شیخ سے صحیح قلبی تعلق پیدا کر کے امورِ شریعت و طریقت کو محنت و کوشش سے سیکھے تو کامیابی حاصل ہوگی۔

فرمایا: صوفیائے کرام کے طریقہ پر چلنے سے مقصود یہی ہے کہ معتقداتِ شرعیہ جو ایمان کی حقیقت ہیں ان پر زیادہ یقین حاصل ہو جائے اور مسائل شرعیہ پر عمل کرنے میں آسانی میسر ہو۔ لہٰذا طریقت میں کامیابی کی بنیادی شرط یہ ہے کہ کسی صاحب دل اور صاحبِ نسبت رسولیﷺ سے منسلک مرشد کی بیعت اختیار کی جائے۔ کیونکہ صحیح نسبت کا حصول صحیح نسبت والوں کی صحبت اور تلقین سے ہی ہوتا ہے۔

مرید اور شیخ

فرمایا: سوال ہے کہ کس ولی اللہ یا پیر طریقت سے بیعت ہونی چاہیے؟

یہ بہت اہم سوال ہے۔ جو شخص خدا کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے ایسے شخص کے لئے بیعت فرض ہے۔ جیسے نماز بغیر وضو ادا نہیں ہو سکتی اسی طرح سالک بھی مالک الملک کے قرب کے راستے پر بیعت ہوئے بغیر صحیح سفر نہیں کر سکتا۔

فرمایا: صحیح بیعت اُسی شیخِ طریقت سے حاصل ہوسکتی ہے جو موضوعِ طریقت سے واقف ہو۔ منازلِ طریقت اور مدارجِ روحانی اور منازلِ ھبوط سے واقف ہو۔ایسے شیخ طریقت سے بیعت ہونا نہایت ہی خوش بختی ہے۔اگر شیخ طریقت میں مندرجہ بالا صفات نہ ہوں تو ایسے شخص سے بیعت بدبختی ہے۔

فرمایا: ہمارے پاس بے شمار لوگ آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں آپ پر بے حد اعتماد ہے اور ہم بیعت ہونا چاہتے ہیں لیکن اصل بات یہ ہے کہ جب تک کسی شخص پر شیخ کا اعتماد نہ ہو وہ بلند چیز جو اس کے سینے میں محفوظ ہے وہ کسی کو نہیں دی جاتی۔ جب شیخ کا اعتماد اپنے کسی مرید پر پورا واثق اور پکا ہو جاتا ہے تو بفضلہٖ تعالیٰ ایسا شخص شیخ کامل کی دعا، توجہ اور تصرف سے اس دولتِ لازوال کا مستحق ہو جاتا ہے۔ ورنہ وہ شیخ اپنے اس خزانہ کو ہر کہہ ومہہ سے مخفی رکھنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔

فرمایا: اپنے شیخ طریقت کے ساتھ محبت و اخلاص اور عقیدت مدارجِ روحانی کے لئے لوازمات میں سے ہے۔لیکن اپنی عقیدت مندی کو اتنا نہ بڑھایا جائے کہ کفر کے درجہ تک پہنچ جائے۔ جیسے یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنا دیا اور گمراہ ہو گئے۔

فرمایا: کئی لوگ اپنے مشائخ کی اتباع میں بہت غلو کرتے ہیں۔ان کی نقل وتقلید کو ہی مقصود سمجھ لیتے ہیں اور اللہ اور نبی پاکﷺ کی اطاعت کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔حالانکہ اصل میں اللہ اور اس کے رسولﷺ کی اطاعت ہی مقصود ہے اور مشائخ اسی کا ذریعہ ہیں۔جس طرح نماز میں امام کی تکبیر پر رکوع، قیام وسجود کیا جاتا ہے اور ہر رکن اور جزو میں اس کی پیروی کی جاتی ہے مگر حقیقت میں مقصود اللہ کی اطاعت وعبادت ہے نہ کہ امام کی۔

تصّورِ شیخ

فرمایا: بعض لوگ تصّور شیخ کراتے ہیں وہ درست نہیں ہوتا کیونکہ یہ ماسویٰ اللہ کی عبادت کے مترادف ہے اور شرک کی ایک نوع ہوسکتا ہے۔اسی طرح لفظ **اللّٰہ** کا قلب پر لکھا ہونے کا تصور رہے۔ یہ بھی درست نہیں۔اللہ تعالیٰ وہم وقیاس وگمان سے بالاتر ہے۔لیکن اسم اللہ ایسا ہے جو مخلوق سے متعلق ہے اور ذات کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔ اس لئے ذکر کرتے وقت دھیان اسی ذات کی طرف یعنی مذکور (ذات) کی طرف ہونا چاہیے۔تاکہ حضوری حاصل ہو۔ جو نسبت رسولﷺ کے حصول اور مداومتِ ذکر سے حاصل ہوتی ہے۔

فرمایا: انسان دو چیزوں کا مرکب ہے۔جسم اور قوائے احساس انسانی۔ جب انسان بیعت کے بعد اپنے جسم اور قوائے انسانی کی نفی کر دیتا ہے تو وہاں وہ اپنے شیخ کے جسم اور قوائے موجود پاتا ہے۔اپنی نفی اور شیخ کا ثبات یہی تصور شیخ ہے۔ جب یہ تصّور قائم ہو جاتا ہے تو انسان فنافی الشیخ کا مقام حاصل کر لیتا ہے اور مدارج روحانی طے کرتا ہے۔

فرمایا: اگر کوئی یہ سمجھے کہ شیخ کا تصّور کر کے یا اس کی تصویر سامنے رکھ کر ذکر کرتا رہے تو کافی ہے تو یہ خیال بھی غلط ہے۔ تصدیق شیخ ضروری ہے۔ شیخ ایسا باخدا اور صاحب کمال ہو کہ اس کے قریب ہونے سے اپنی ذات بھول جائے اور شیخیت تصدیق ہو جائے۔ یہ اضطراری کیفیت ہے اختیاری نہیں۔ چونکہ شیخ کی اپنی ذات ختم ہو چکی ہوتی ہے اور وہاں کوئی اور موجود ہوتا ہے۔ شیخ وسیلہ ہے اس مشاہدہ اور جمال کا جو مقصود ہے۔

فرمایا: کسی شخص سے اس کے پیارے بیٹے کا جو اس سے دوری پر ہو ذکر کریں تو یہ عین ممکن ہے کہ محض نسبی تعلق کی بنا پر اسے اپنے بیٹے کا خیال آتے ہی اضطراری طور پر اس کا مکمل تصّور جم جائے اسے نہ کسی تصویر کی ضرورت ہے اور نہ ہی تصّور جمانا پڑتا ہے۔ حالانکہ یہ محض نسبی تعلق ہے اور اپنے شیخ کامل کا تعلق تو روحانی اور مضبوط تر ہوتا ہے۔

بیعت اور اس کی اقسام

فرمایا: بیعت نام ہے اس کارروائی کا جو ایک مرید اپنے آپ کو واصل باللہ ہونے کے لئے مرشد کے سامنے پیش کرتا ہے اور مرشد اس مرید کو قبول کر لیتا ہے پھر وہ اپنے جملہ تصرفات مرشد کے ہاتھ میں دے دیتا ہے۔

فرمایا: بیعت کے متعلق بہت غلط فہمیاں ہیں۔ ایک طبقہ علما اسے بدعت قرار دیتا ہے حالانکہ بیعت ہونا یا بیعت کرنا قرآن مجید سے ثابت ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿الفتح: 10﴾

''بے شک جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں وہ خدا سے بیعت کرتے ہیں۔ خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔ پھر جو عہد کو توڑے تو عہد توڑنے کا وبال اسی کو ہے اور جو پورا کرے وہ عہد جو اس نے خدا سے کیا ہے تو وہ عنقریب اجر عظیم دے گا''

اور پھر فرمایا:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿الفتح:18﴾

''جب مومن تم سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے تو خدا ان سے راضی ہوا اور جو صدق و خلوص ان کے دلوں میں تھا وہ اس نے معلوم کر لیا تو ان پر تسلی نازل فرمائی اور انہیں جلد فتح عنایت فرمائی''

ان آیات سے معلوم ہوا کہ بیعت کرنے سے سکینہ کا نزول ہوتا ہے اور تسکین قلب نصیب ہوتی ہے۔

فرمایا بعورتوں کی بیعت کے بارے میں بھی بہت غلط فہمیاں موجود ہیں لیکن قرآن کریم اس معاملہ کو بھی واضح کرتا ہے۔

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَکَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَکَ عَلٰٓی اَنْ لَّا یُشْرِکْنَ بِاللّٰہِ شَیْئًا وَّلَا یَسْرِقْنَ وَلَا یَزْنِیْنَ وَلَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَھُنَّ وَلَا یَاْتِیْنَ بِبُھْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَہٗ بَیْنَ اَیْدِیْھِنَّ وَاَرْجُلِھِنَّ وَلَا یَعْصِیْنَکَ فِیْ مَعْرُوْفٍ فَبَایِعْھُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَھُنَّ اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿الممتحنة:12﴾

''اے پیغمبرؐ! جب تمہارے پاس مومن عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کو آئیں کہ خدا کے ساتھ نہ تو شریک کریں گی نہ چوری کریں گی نہ بدکاری کریں گی نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی نہ اپنے ہاتھ پاؤں میں کوئی بہتان لائیں گی اور نہ نیک کاموں میں تمہاری نافرمانی کریں گی تو ان سے بیعت لے لو اور ان کے لئے خدا سے بخشش مانگو۔ بے شک خدا بخشنے والا مہربان ہے''

ان آیاتِ قرآنی سے بیعت کی اصل ظاہر ہے۔ رسول کریم ﷺ نے کبھی اقامتِ دین کے لئے، کبھی معرکہ کفار کے لئے، کبھی جہاد کے لئے بیعت لی لیکن موجودہ وقت میں بیعت ''تلاشِ حق'' کے لئے لی جاتی ہے۔ افسوس ہے کہ اکثر پیر صاحبان بیعت کرتے ہیں اور وہ بھی غرض اصلی کے لئے نہیں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ صحیح بیعت دو قسم کی ہے:

1۔ بیعتِ سنت

بیعتِ سنت یہ ہے کہ ایک انسان جو طبعاً نیک ہے اور اس کی یہ خواہش ہے کہ کسی مرد کامل، نیک اور باخدا شخص کے پاس جا کر اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے گناہوں کی معافی مانگوں گا اور پابندی احکام شریعت کروں گا۔ چنانچہ وہ کسی مرد خدا کے پاس اسی مقصد کے لئے اس کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے تو یہ بیعتِ سنت ہے اور باعث برکت ہے۔

2۔ بیعتِ فرض

ایک طالب حق شخص جو پہلے سے ارکان اسلام و احکام شریعت بجالاتا ہو اور اس کا دلی مدعا ہو کہ اسے ذاتِ الٰہی اور رسول اکرم ﷺ کا صحیح عشق حاصل ہو جائے اور اس کا ارادہ وصول الی اللہ کا ہو تو وہ کسی ایسے مردِ کامل یعنی شیخ یا مرشد یا پیر کی تلاش کرے جو علمِ سلوک سے اچھی طرح واقف ہو۔ منازلِ طریقت اور نسبت رسولی ﷺ رکھتا ہو اور مجاز ہو اور اس کا مقصدِ حیات صرف ذاتِ الٰہی سے عشق و محبت ہو۔ یہ بیعت اصلی ہے اور طالبِ حق کو اس سے بیعت کرنا فرض

ہے۔ایسے پیر صاحب مرید سے اس لئے بیعت لیتے ہیں کہ وہ اسے اللہ اور رسولﷺ کا راستہ بتلائیں گے اور اس پر چلائیں گے۔اس میں مخلوق کی رضامندی یا ان کی طرف سے کسی قسم کا لالچ یا طمع نہیں ہوتا۔ایسی بیعت سے فریقین نے رضائے الٰہی حاصل کر لی اور ان کا تعلق،ان کی آمد و رفت،ان کی نشست و برخاست،غرض ہر قسم کے تعلقات عبادت الٰہی ہیں۔ ہر قدم جو اس بیعتِ خالص کے ساتھ شیخ کی خدمت میں حاضر ہونے کیلئے اٹھایا جائے گا وہ انھیں ذات باری تعالیٰ سے نزدیک لاتا جائے گا۔یہ بیعت وصول الی اللہ کا دروازہ ہے اور یہی طریقہ اولیائے کرام کا قائم ہے۔

مگر سوال یہ ہے کہ ایسا کامل شخص ملنا بہت مشکل ہے۔آج کل تو نااہلوں کا دور دورہ ہے اور صوفی نما اشخاص اکثر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔لیکن جو شخص حقیقی طور پر خدا کی ذات کا عاشق ہے اور اس کے قرب ولقا کا خواہاں ہے اس کیلئے مردِ کامل کا ملنا مشکل نہیں۔اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص کو شدت کی پیاس ہے اگر اس کے سامنے دنیا کی ساری نعمتیں رکھ دی جائیں تو اس کو اطمینان نہیں ہوتا جب تک اسے مطلوبہ پانی نہ ملے۔پانی ملنے پر اس کی پیاس بجھ جاتی ہے۔اسی طرح طالب حق کو اگر حقیقی تلاش ہے تو اس کو اصلی مردِ کامل مل جائے گا جس سے اس کی تسلی ہوگی۔چنانچہ وہ مقصدِ حقیقی کو پالیتا ہے۔ **مَن جَدَّ وَجَدَ** جو تلاش کرتا ہے پالیتا ہے۔اللہ تعالیٰ اس کی رہنمائی فرماتا ہے۔

طالبِ حق کیلئے نہایت ضروری ہے کہ وہ صحیح رہنما کی تلاش میں نہایت کوشش اور چھان بین سے کام لے۔اگر خدانخواستہ وہ کسی غلط صوفی نما انسان کے پاس چلا گیا اور اس کی بیعت اختیار کر لی تو اس کا مقصد فوت ہو جائے گا اور ساری زندگی برباد اور رائیگاں ہو جائے گی۔مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست

پس بہر دستے نباید داد دست

یعنی بے شمار ابلیس دھوکہ دینے کیلئے انسانی شکلوں میں موجود ہوتے ہیں۔لہذا ہر کسی کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ نہیں دینا چاہیے یعنی صحیح رہنما کی تلاش نہایت ضروری ہے۔

فرمایا: ان دو صحیح بیعتوں کے علاوہ ایک رسمی بیعت بھی ہوتی ہے۔آج کل عام لوگ پیر نما اصحاب سے بیعت کر لیتے ہیں۔ان لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ بیعت سے وہ ایک پیر صاحب کے ساتھ منسلک ہو جائیں گے اور دنیاوی اغراض کیلئے ان کی دعا،تعویذ اور اثر و رسوخ سے فائدہ اٹھائیں گے اور پیر صاحب کو یہ خیال ہوتا ہے کہ بہت سے مرید ہونگے تو اس کا اپنا اثر و رسوخ،دولت و مال زیادہ ہوگا۔نہ تو مرید کو علمِ سلوک میں دلچسپی ہے اور نہ ہی پیر صاحب مجاز ہیں اور نہ اس کے اہل ہیں،اکثر تو وہ خود ہی علمِ سلوک سے نابلد ہوتے ہیں اور اس طرح دونوں گمراہ ہو جاتے ہیں کیونکہ دونوں کے سامنے دنیاوی مفاد ہوتا ہے۔ایسی بیعت لغو اور ضلالت ہے۔ **نعوذ بالله من ذالک** ان کا یہ حال ہے:

اِتَّخَذُوْا رَؤُسًا جُھَّالًا فَافْتَوْا بِلَا عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا (الحدیث) انہوں نے جہلا کو اپنا رہنما بنایا انہوں نے بغیر علم کے فتوے دیئے۔ خود بھی گمراہ ہوئے اور لوگوں کو بھی گمراہ کیا۔

بیعت کا طریقہ

اعلیٰ حضرتؒ کا طریقہ بیعت وہی تھا جو راقم الحروف سے بیعت لیتے وقت اختیار فرمایا تھا۔ جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے (صفحہ نمبر 376/377) فرق محض یہ ہوتا تھا کہ ہر مرید کی استعداد کے مطابق اسے جداگانہ اشغال تلقین فرمائے جاتے تھے جو وہ آسانی سے بجالاسکتا اور بعد میں اس کے حال کے مطابق اس کی تربیت کی جاتی۔

مرید کا خلوص

فرمایا: ایک دفعہ میں ایبٹ آباد میں تھا۔ معاً خیال آیا کہ ''اگرور'' جاؤں۔ چنانچہ اس غرض سے ایک موٹر ساٹھ روپے کرایہ پر لی۔ کوئی خاص کام نہیں تھا لیکن دل کی کشش اس طرف آمادہ کر رہی تھی چنانچہ اس طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں ایک بس کھڑی دیکھی میں نے بھی موٹر روک لی اور اتر پڑا۔ میں نے دیکھا کہ ایک ضعیف شخص مع اپنی ضعیفہ بیوی کے کھڑا ڈرائیور سے کہہ رہا تھا کہ ہمیں ضرور ساتھ لے چلو لیکن ڈرائیور انکاری تھا۔ آخر میں نے ڈرائیور سے کہا کہ انھیں لے جاؤ کرایہ میں دیتا ہوں لیکن اس نے پھر بھی انکار کیا کہ بس میں جگہ بالکل نہیں ہے۔ بوڑھے نے مجھے بتایا کہ ہم موہڑہ شریف جانے کا مصمم ارادہ کر کے بڑی دور سے آئے ہیں اور وہاں جانا چاہتے ہیں۔ میں نے اپنے ڈرائیور کو موٹر صاف کرنے کو کہا اور خود انھیں لے کر سڑک سے ایک طرف بیٹھ گیا اور ان سے گفتگو کرنے لگا۔ معلوم ہوا کہ وہ محض رضائے الٰہی کیلئے سفر اختیار کر چکے ہیں۔ اس لیے میں نے انھیں اسی جگہ پر تعلیم دی جس سے وہ بہت خوش ہوئے۔ اتنے میں موٹر بھی صاف ہوگئی اور میں نے انھیں اپنی گاڑی میں ساتھ بٹھایا اور ان کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب ان کا گھر قریب آیا تو میں انھیں اتار کر واپس ایبٹ آباد آ گیا۔ معلوم ہوا کہ وہ دونوں محض خدا سے ملنے کی غرض سے باوجود اپنے بڑھاپے اور کمزوری کے گھر سے نکلے تھے اور پیدل چل رہے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ بات ڈال دی اور مجھ کو ان تک پہنچا دیا۔ بسا اوقات مرید کا خلوص پیر کو بھی حرکت دے سکتا ہے اور جو اخلاص اور محبت سے خدا کا متلاشی ہوتا ہے وہ اسے پا ہی لیتا ہے۔

سلوک

فرمایا: سلوک کا لفظ **سَلَکَ ، مَنْسَلَکْ** سے ہے جس کا مدعا اتصال اور پیوستگی ہے۔ اس لیے سلوک میں اپنے شیخ سے پیوستگی کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ جب مرید کی اپنے نفس کی نفی کے بعد اپنے شیخ کے ساتھ پیوستگی پیدا ہو

جاتی ہے تو فنا فی الشیخ ہو جاتا ہے۔ چونکہ شیخ کی حیثیت ایک لطیفہ کی ہے اور وہ فنا فی الرسول ہوتا ہے۔ اس لیے مرید بھی فنا فی الرسول ہو جاتا ہے۔ پھر وہ فنا فی اللہ ہوتا ہے جہاں اسے اتّصالِ تام ہوتا ہے اور مستغرق بالذات ہونے سے فنا فی اللہ کا مقام حاصل ہوتا ہے۔ چونکہ وہ رو بحق تھا اور اتصال تام ہو گیا۔ اسے ولایت صغریٰ حاصل ہوتی ہے اور وہ فنا فی الذات ہوتا ہے۔ اس مقام پر اسے امر تکوین (جو من قبیل کن فیکون) سے حصہ ملتا ہے اور وہ درجہ تکوین حاصل کرتا ہے اور بقا بالصفات سے متصف کیا جاتا ہے اور اسے رو بخلق ہونے کا حکم ہوتا ہے۔ یہ مقامِ نبوت ہے جو **تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا** کا مقام ہے۔ اب وہ بظاہر بشری شکل میں اسی گوشت پوست اعضا میں ہوتا ہے لیکن اس کی حقیقت ایک اور طور کی ہوتی ہے۔ جس میں انوار الہیہ جلوہ گر ہوتے ہیں۔ رو بخلق کا درجہ رو بحق کے درجہ سے افضل ہے۔ ولایت رو بحق ہونا ہے اور نبوت رو بخلق۔ اس مقام پر **تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰه** کا مقام حاصل ہوتا ہے وہ مخلوق خدا (انسان، حیوان، چرند، پرند، وغیرہ) کو اسی نگاہ سے دیکھتا ہے جس سے ان کا مالک ان کو دیکھتا ہے اور ویسا ہی وہ ان سے معاملہ کرتا ہے۔ اسے ولایت کبریٰ حاصل ہوتی ہے۔

فرمایا: سلوک و طریقت کا موضوع یہ ہے کہ اسلام، ایمان اور نتائج ایمان کو سمجھ کر اپنی رفتار زندگی درست کی جائے مگر اب اکثر لوگ ایسے بھی موجود ہیں جو باوجود تعلیم یافتہ ہونے کے اس حقیقتِ مذکورہ کے خلاف ایک علیحدہ چیز کو سلوک اور طریقت سمجھتے ہیں بلکہ بعض سالک اور صوفی نما لوگوں نے اسی مغالطے کے اندر کتابیں بھی لکھی ہیں اور حقیقت سے ناآشنا ہونے کی وجہ سے اقسام بنا لئے ہیں کہ شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کی علیحدہ علیحدہ تفصیلات قائم کر لی ہیں۔ نہ صرف جہاں ہیں بلکہ خاص طبقہ کے لوگ بھی اسی غلطی میں شامل ہو گئے ہیں۔ خاص لوگوں کی کتابوں سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے مگر ایک حقیقت آگاہ شخص کی نگاہ ان فروعات اور خود ساختہ شے سے گزر کر اصلیت پر ضرور پہنچ جاتی ہے۔ ایسے اصحاب کی ذہنی اور کشفی غلطی سے یا فروعی تصوّرات سے غلط لوگوں نے ایک ایسا غلط اور برعکس پہلو اختیار کر لیا ہے کہ وہ شریعت اور طریقت کو علیحدہ علیحدہ اور دو متضاد و مخالف چیزیں قرار دیتے ہیں اور شیطان کو ان لوگوں سے اس حد تک مدد ملی ہے کہ راستہ ہی شریعت اور دستور العمل رسولﷺ کے خلاف قائم کر دیا ہے اور مدعیانِ طریقت و معرفت کے ایسے وجود پیدا ہو گئے ہیں جو اہل دین اور علما کو لغو، بیہودہ اور بے معنی سمجھنے لگے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ بعض لوگوں نے اہل علم اور علما کو لغو سمجھنے سے خود دین اور اسلام کو بھی لغو سمجھنا شروع کر دیا ہے۔ **نعوذ باللّٰه مِنْ ذَالِکْ.** جو چیز خدا اور رسولﷺ سے ملانے والی تھی وہی خدا اور رسولﷺ سے علیحدہ اور دور کرنے کا سبب ہو گئی ہے۔

اس لئے اشد ضرورت اس امر کی ہے کہ حقیقتِ سلوک کو سمجھ کر اپنی رفتارِ زندگی کو درست کیا جائے اور فروعاتی باتوں میں الجھ کر اپنی قیمتی زندگی کو **خسر الدنیا والآخرة** (دنیا اور آخرت کا گھاٹا) میں نہ ڈالا جائے۔

فرمایا: انسان بدن اور روح سے مرکب ہے۔ اپنے بدن کی اصلاح اور دیکھ بھال کے لئے انسان نے طرح طرح کے علاج ڈھونڈ نکالے ہیں اور اسے درست حالت میں رکھنے کے لئے ہر وقت کوشاں رہتا ہے مگر روح کی اصلاح سے اکثر غافل ہو جاتا ہے حالانکہ روحانی اصلاح صرف سلوک کے ذریعے سے ممکن ہے۔ حضور پاک ﷺ نے یہ سبق دنیا کو سکھایا کہ کس طرح ایک انسان اپنے مالک کی طرف ہر لمحہ اور ہر سانس میں متوجہ ہو سکتا ہے اور اپنی روحانی زندگی کی تربیت کر سکتا ہے اور کس طرح اپنی ساری زندگی کو عبادت کا درجہ دے سکتا ہے۔ حضور سرورِ کائنات ﷺ کی زندگی ہمارے لئے بہترین اسوہ حسنہ اور مشعلِ راہ ہے اور اسی کا اتباع راہِ سلوک ہے۔

فرمایا: راہِ سلوک میں نکلنے والوں کی مثال ایسی ہے کہ ایک اونچے درخت کی چوٹی پر ایک خوبصورت پھول کھلا ہو اور بیشمار چیونٹیاں اس پھول تک پہنچنے کے لئے چل رہی ہوں۔ کچھ قریب پہنچ جائیں اور کچھ راستے میں ہوں اور چند خوش قسمت پھول تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائیں مگر یہ تسلیم شدہ بات ہے کہ ان چیونٹیوں کی تگ ودو اس پھول کی طلب میں گنی جائے گی خواہ راستے میں ہی ان کی جان نکل جائے۔ ہر چیونٹی کی کامیابی کا معیار اس خوبصورت پھول کی قربت اور بُعد پر متصوّر ہوگا۔ یہی حال اہلِ سلوک کا ہے۔ اسی لئے وہ مختلف مدارج پر ہوتے ہیں۔

فرمایا: سلوک یا شغلِ طریقت مسلمانوں میں نورِ ایمانی کی زیادتی پیدا کرتا ہے۔ نورِ ایمان میں زیادتی باعتبار زیادہ عبادت اور زیادہ ذکر الٰہی سے ہوتی ہے اسی طرح نورِ ایمان میں کمی باعتبار عبادت میں کمی اور عدم ذکر الٰہی سے ہوتی ہے۔ **اَلْاِیْمَانُ یَزِیْدُ وَ یَنْقُصُ** یہ باعتبار اعمال کے ہیں جو انسان حسنِ عقیدہ سے اطمینانِ قلب حاصل کر لیتا ہے وہ اطمینانِ قلب جس کو آیت مبارکہ **اَلَآ بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ** میں اشارہ کیا گیا ہے تو مومن کامل بن جاتا ہے اور یہ سلوک کی منازل طے کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

فرمایا: سرکس کا تماشا دیکھا ہو گا سرکس میں جانوروں سے وہ کام لئے جاتے ہیں جو عقلِ انسانی میں ان غیر ذوی العقول اور غیر ناطق جانوروں سے ناممکن نظر آتے ہیں مثل سائیکل چلانا، بندوق و توپ داغنا، مختلف خطوط سے مطلوبہ خط نکالنا یا حساب وغیرہ کے سوال حل کرنا نیز میلوں ٹھیلوں میں گھوڑوں، اونٹوں اور ہاتھیوں کے ناچ وغیرہ دیکھے ہوں گے۔ جب کوشش وسعی سے یہ کام غیر ذوی العقول جانور اور پرندے سیکھ سکتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ایک ذی شعور انسان خدا سے ملنے اور اس کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرے اور وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ **مَنْ طَلَبَ وَجَدَ** (جسے طلب ہوتی ہے وہی پالیتا ہے) بشرطیکہ انسان صراطِ مستقیم پر ہو اور قوت ارادی سے کام لے۔

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی
کیں راہ کہ تو مے روی بترکستان است

اگر باوجود سعی وکوشش کے منزل مقصود پر نہ پہنچ سکے تو کم از کم مصر کی بڑھیا کی طرح یوسف علیہ السلام کے خریداروں میں نام تو درج ہو ہی جائے گا اور قیامت کے روز اسی تعلق سے پکارا جائے گا اور یہ بھی کچھ کم سعادت نہیں ہے۔

فرمایا: سالک کو کسی ماسویٰ اللہ چیز پر اپنا دل یا توجہ نہیں لگانی چاہیے۔ خاص طور پر مکاشفات یا مضامین رنگین جو سالک پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظاہر کئے جاتے ہیں ان پر ہرگز توجہ نہیں دینی چاہیے وہ سب راستے کی چیزیں ہیں۔ اپنی نگاہ بلندترین ہستی یعنی ذاتِ احدیت پر رکھنی چاہیے جو اصل مقصدِ سلوک ہے۔ مکاشفات وغیرہ تو ایسی چیزیں ہیں جو سالک کی حوصلہ افزائی کے لئے اس کو عطا ہوتی ہیں۔ اور یہ راستے کی چیزیں ہیں۔ ان سب سے آگے نکل جانا چاہیے اصل مقام آگے ہے۔

ذکر کی اہمیت

فرمایا: ذکر کیا ہے؟ ذکر سے مراد اللہ تعالیٰ کی یاد ہے۔ ہر وہ چیز جس سے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جائے مثلاً ورد، وظیفہ، تلاوت قرآن یا درود شریف وغیرہ یہ ذکر میں شامل ہیں۔ قرآن حکیم نے اللہ تعالیٰ کے ذکر کو نہایت اہمیت دی ہے۔ چند آیات قرآنی ملاحظہ ہوں۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ﴿المزمل : 8﴾

''اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرتے رہو اور ہر طرف سے بے تعلق ہو کر اس کی طرف متوجہ رہو''

وَاذْكُرُو اللّٰهَ كَثِيْرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿الجمعة: 10﴾

''اللہ کو بہت زیادہ یاد کرتے رہو تا کہ فلاح پاؤ''

فَاذْكُرُوْنِیْ اَذْكُرْكُمْ ﴿البقرة: 152﴾

''پس تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا''

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوبِكُمْ ج ﴿النساء : 103﴾

''پھر جب تم نماز تمام کر چکو تو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرو''

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ط وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ط ﴿العنكبوت: 45﴾

''بے شک نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر تو سب سے بڑا ہے''

رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ﴿النور: 37﴾

''ایسے لوگ ہیں جن کو اللہ کے ذکر سے نہ سوداگری غافل کرتی ہے اور نہ ہی خرید وفروخت''

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿اعراف: 205﴾

''اور اپنے پروردگار کو دل ہی دل میں عاجزی اور خوف سے اور پست آواز سے صبح وشام یاد کرتے رہو اور (دیکھنا) غافل نہ ہونا''

فرمایا: اپنا خیال درست رکھنا چاہیے اور ماسویٰ اللہ سے توجہ ہٹا کر اللہ کی طرف دل سے متوجہ رہنا چاہیے۔ دنیا کے سارے کام بموجب سنت رسول ﷺ کرتے رہنا چاہیے۔ جب دل میں اللہ کی یاد قائم ہو جاتی ہے تو یہ سب کام بھی عبادت ہو جاتے ہیں۔

ذکرِ لسانی اور ذکرِ قلبی

1۔ **ذکرِ لسانی:** ذکرِ لسانی کی مثال بارش کی ہے جو ایک پتھر پر پڑتی ہے جتنی دیر بارش اس پتھر پر پڑتی رہتی ہے اس کی تری قائم رہتی ہے جب ختم ہو جاتی ہے تو وہ تری بھی ختم ہو جاتی ہے۔

2۔ **ذکرِ قلبی:** ذکرِ لسانی سے گزر کر ذکرِ قلبی پر توجہ ہونی چاہیے۔ خیال کی درستی بڑی لازمی اور اہم چیز ہے اور اپنے شیخ سے رابطہ ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کو کوئی نہیں سمجھ سکتا کیونکہ نہ تو وہ نظر آتا ہے نہ ہی وہ معلوم ہے نہ ہی وہ سمجھا جا سکتا ہے۔ جو چیز سمجھ میں آ جائے وہ تو حادث یعنی فانی ہے۔ جو ذات باقی یعنی ہمیشہ رہنے والی، ابدی اور لازوال ہے وہ حادث اور فانی چیز کی سمجھ میں کیسے آ سکتی ہے؟ اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی ذات کا قرب حاصل کرنا ہے اور اس کی رضا حاصل کرنا ہے۔ جو شخص اس نیک مقصد کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی یاد میں مصروف ہوتا ہے ایسے شخص کو بفضلہٖ تعالیٰ جب شیخ طریقت سے الحاق روحانی ہو جاتا ہے اور اس کا صدر شیخ کے صدر سے پیوست ہو جاتا ہے تو جو کیفیت شیخ پر گزرتی ہے وہی مرید پر گزرتی ہے۔ شیخ کے صدر سے رسول پاک ﷺ کے صدر اور پھر وہاں سے بارگاہ ایزدی کا قرب نصیب ہوتا ہے شیون واعتبارات ختم ہو جاتے ہیں اور سالک کی اپنی ذات ختم ہو جاتی ہے تو پھر علم الٰہیات کا آغاز ہوتا ہے اور یہی مقام ہمہ نیست ہے۔

فرمایا: ذکرقلبی (ذکرخفی) جو بیعت کے وقت مرید کوتلقین کیا جاتا ہےیعنی ہونٹ بنداور ناک کے ذریعے سانس لیا جائے سانس اندر جائے تو **"اللّٰہ"** اور باہر نکلےتو **"ھُوْ"** اپنے تصّور اور پوری توجہ سے جاری کیا جائے، چلتے، پھرتے، لیٹے، بیٹھے، ہر وقت جاری رکھا جائے۔ ہاتھ کام میں اور پاؤں چلنے میں مصروف رہیں تو دل ذکر میں مشغول ہو۔ ہر ساعت (تقریبا 10 تا15 منٹ) کے بعد استغفار اور معاہدہ استوار کرے اور مزید توجہ سے یہ ذکر جاری رکھے اور اپنی توجہ مذکور (یعنی ذات) کی طرف رہے یہ بنیادی ذکر قلبی ہے جس پر مرید کو مداومت کرنی چاہیےاسی سے ہر دم حضوری حاصل ہوتی ہے اور اسی سے مدارج اعلیٰ طے ہوتے ہیں۔ جتنا انسان بڑا ہوتا جاتا ہے اللہ کے ذکر کی اتنی ہی اس کی ذمہ داری بڑھتی جاتی ہے۔

فرمایا: ذکرِقلبی کی مثال ایسے پتھر (Lime stone) کی ہے جسے آگ کی بھٹی میں خوب تپا کراس سے گیس (Carbon di oxide) خارج کر لی جائے تو وہ پتھر سفید چونا ہو جاتا ہےاوراس کی اپنی کیفیت بدل جاتی ہے۔ یہی نہیں کہ وہ خود سفید ہو گیا بلکہ اس کی سفیدی کا اثر دوسری جگہوں پر بھی اثر انداز ہوگا کسی دوسری جگہ پر لگایا جائے تو اسے بھی سفید کردے گا۔ لہٰذا ذکرِقلبی نہایت اہم چیز ہے جس پر مداومت ہونی چاہیے تا کہ انسان کی اپنی کیفیت بدل جائے اور اس میں نورانیت پیدا ہو جائے۔ جو کوئی اللہ تعالیٰ کے ذکر میں ہر دم متوجہ رہتا ہےتو پھر اللہ تعالیٰ اس کے قلب پر انوارِ الٰہیہ اور معرفتِ الٰہیہ کا القاء کرتا ہے۔

مراقبہ

فرمایا: مبتدی کو چاہیے کہ مراقبہ کے وقت آنکھیں بند کر کے اور سر کو جھکا کر اپنے قلب پر متوجہ ہو جائے اور ذکرِقلبی شروع کرے اور اپنے قلب کو تمام خیالات ماسویٰ اللہ سے خالی کر کے نورِ ذات کی طرف متوجہ ہو کر اس میں محو ہو جائے تا کہ **اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** کا استحضار ہو جائے اور مراقبہ ایسا ہو کہ اپنا آپ بھول جائے۔ اپنے عزیز و اقارب بلکہ یہ دنیا اور یہ عالم بھول جائے اور توجہ اللہ تعالیٰ کے ذاتی نور کی طرف ہو۔ سالک کو ذکرِقلبی ہر وقت کرتے رہنا چاہیے تا کہ ہر دم حضوری حاصل ہو جائے۔

مجالس ذکر

فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی جماعت مقرر فرما رکھی ہے جو ہر وقت دنیا میں چکر کاٹتی رہتی ہے کہ ذکر کی ہر مجلس خواہ وہ دو آدمیوں کی ہو یا دو لاکھ یا زیادہ کی ہو اس کی رپورٹ کرتے رہتے ہیں اور عالم بالا میں اس کی اطلاع پہنچاتے ہیں۔ جہاں ذکر کی محفل ہو تو وہ فرشتے ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ جس کی تلاش میں ہو وہ یہاں ہے۔ یہاں تک کہ ان کا ہجوم ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عموماً ذکر کی مجالس میں قلبی سکون حاصل ہوتا ہے اور جب مالک کے سامنے ان

فرشتوں کی رپورٹ پیش ہوتی ہے تو مالک دریافت فرماتا ہے حالانکہ وہ خود علاّم الغیوب ہے کہ میرے بندے کیا کررہے ہیں۔ جواباً فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اے مالک! وہ تیرا اور تیرے حبیب پاکﷺ کا ذکر کررہے ہیں۔ مالک پوچھتا ہے کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے تو فرشتے عرض کرتے ہیں کہ نہیں۔ تو مالک فرماتا ہے کہ اگر وہ مجھے دیکھ پائیں تو پھر وہ کیا کریں۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اگر ایسا ہو تو وہ بالکل مفتون ہو کر ذکر کریں۔ مالک حکم فرماتا ہے کہ تم گواہ رہو کہ میں نے ان سب کو بخش دیا۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ باری تعالیٰ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ذکر میں شامل نہیں ہوئے یونہی بے دلی سے وہاں قریب بیٹھ گئے تو باری تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم گواہ رہو کہ میں نے ان کو بھی بخش دیا کیونکہ

هُمْ قَوْمٌ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ﴿مسلم﴾

''ان لوگوں کے پاس بیٹھنے والے بدبخت نہیں رہتے''

رحمۃ للعالمینﷺ کے طفیل ان کے غلاموں کے لئے اللہ تعالیٰ نے کتنی بڑی رحمتیں مخصوص کر رکھی ہیں۔ ذاکرین کے پاس بیٹھنے والوں کے لئے آتے ہی خاتمہ بالخیر کی خوشخبری سنائی گئی۔ اس کے بعد جو کچھ کیا وہ تو زاید ہے۔ عام لوگوں کا مقصود خاتمہ بالخیر ہوتا ہے۔ لیکن سالکین کی ابتداء یہاں سے ہوتی ہے اور ان کے آئندہ مدارجِ اعلیٰ جداگانہ اور حسبِ استعداد اور حسبِ ریاضت ہوتے ہیں۔ **ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ**

اورادشریف نظیریہ

سلسلہ عالیہ نسبت رسولﷺ کی مجالس میں جو اوراد شریف پڑھے جاتے ہیں ان کے متعلق فرمایا۔ رمضان شریف کا مہینہ تھا۔ بعد نماز ظہر اوراد شریف کی ترتیب کو مکمل کیا گیا۔ ان اوراد شریف اور ان اعداد میں ایک خاص راز مضمر ہے۔ جب یہ مکمل کئے گئے ان میں سے تین اوراد شریف علیحدہ کر دیئے گئے۔ پھر نماز کے بعد سو گیا تو کیا دیکھا کہ ایک عظیم الشان نوری کشتی میں سب احباب بٹھا دیئے ہیں اور ان سب کو بارگاہ الٰہی میں حاضر کیا جاتا ہے۔ بہت بڑے اور خوبصورت سنہری منقاروں والے پرندے اس کشتی کو اٹھا کر آسمانوں کی طرف لے اڑے۔ آسمان سے اوپر کشتی پہنچی تو وہ کشتی آگے جانے میں سست ہوگئی۔ پرندوں نے بہت زور لگایا مگر آگے نہیں جاتی اس وقت مجھے سخت خطرہ پیدا ہوا۔ خدا کی طرف التجاء کی۔ ناگاہ عرشِ عظیم کی طرف سے ایک آواز آئی کہ ان میں تین کی کمی ہے وہ تین لاؤ تاکہ کشتی عرشِ عظیم پر پہنچے۔ اس کے بعد بیدار ہو کر خواب کو سوچا تو بقایا وہ تین بھی ان میں داخل کر دیئے۔ یہ اوراد شریف نظیریہ دربار عالیہ کی مجالس میں پڑھے جاتے ہیں۔ نیز خلفاء صاحبان بھی ایسی مجالسِ ذکر کا انتظام کرتے ہیں۔ یہ اوراد شریف بمع تعداد درجِ ذیل ہیں:

اورادِ نظیریہ

اوراد	تعداد وظیفہ مطابق افرادحلقہ 1 نفر	5 نفر	10 نفر	15 نفر	25 نفر	50 نفر
بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط	181	37	19	13	8	4
لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدُ ٗرَّسُوۡلُ اللّٰہِ	181	37	19	13	8	4
سُبۡحَانَ اللّٰہِ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکۡبَرُ ط وَلَا حَوۡلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الۡعَلِیِّ الۡعَظِیۡمِ ط	181	37	19	13	8	4
درود شریف ابراہیمی اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیۡتَ عَلٰٓی اِبۡرٰاھِیۡمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبۡرٰھِیۡمَ اِنَّکَ حَمِیۡدُ ٗمَّجِیۡدُ ٗ ط اَللّٰھُمَّ بَارِکۡ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکۡتَ عَلٰٓی اِبۡرٰاھِیۡمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبۡرٰھِیۡمَ اِنَّکَ حَمِیۡدُ ٗمَّجِیۡدُ ٗ	181	37	19	13	8	4
سیّدالاستغفار اَسۡتَغۡفِرُ اللّٰہَ الۡعَظِیۡمَ الَّذِی لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الۡحَیُّ الۡقَیُّوۡمُ وَاَتُوۡبُ اِلَیۡہِ ط	181	37	19	13	8	4
آیۂ کریمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنۡتَ سُبۡحَانَکَ اِنِّی کُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ	140	28	14	10	6	3

سورۃ فاتحہ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعَالَمِيۡنَ ۞ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۞ مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ ۞ اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ ۞ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۞ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ۙ غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ ۞ آمین	7	7	7	7	7	7
سورۃ اخلاص قُلۡ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ ۞ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۞ لَمۡ يَلِدۡ ۙ وَلَمۡ يُوۡلَدۡ ۞ وَلَمۡ يَكُنۡ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۞	9	9	9	9	9	9
آیت الکرسی اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلۡحَىُّ الۡقَيُّوۡمُ ۚ لَا تَاۡخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوۡمٌ ؕ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ مَنۡ ذَا الَّذِىۡ يَشۡفَعُ عِنۡدَهٗۤ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ ؕ يَعۡلَمُ مَا بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمَا خَلۡفَهُمۡ ۚ وَلَا يُحِيۡطُوۡنَ بِشَىۡءٍ مِّنۡ عِلۡمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرۡسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ ۚ وَلَا يَـُٔوۡدُهٗ حِفۡظُهُمَا ۚ وَهُوَ الۡعَلِىُّ الۡعَظِيۡمُ ۞	11	11	11	11	11	11
اَللّٰهُ الۡحَسِيۡبُ	6621	1315	663	472	265	133

دعا						
لَطِیۡفُ	16721	3345	1672	1115	669	345
یَا مُجِیۡبُ السَّمِیۡعُ	1881	377	189	126	76	38
یَا وَهَّابُ	2110	442	211	140	85	42
یَا بَارِیُ	291	59	30	21	6	2
یَا قَابِضُ	984	197	99	60	40	20
یَا عَلِیَّ الۡعَظِیۡمَ	181	37	19	13	8	4
یَا حَیُّی یَا قَیُّومُ	265	53	27	18	11	6
یَا ذَا الۡجَلَالِ وَالۡاِکۡرَامِ	435	87	44	29	18	9
یَا حَنَّانُ یَا مَنَّانُ	192	29	20	13	8	4
یَا غَفُوۡرُ یَا رَحِیۡمُ	192	29	20	13	8	4
یَا جَوَادُ یَا کَرِیۡمُ	192	29	20	13	8	4
یَا عَلَّامُ الۡغُیُّوبُ	192	29	20	13	8	4
یَا وَدُوۡدُ یَا عَطُوۡفُ	181	37	19	13	8	4
یَا بَاقِیُ	192	29	20	3	8	4
یَا بَاسِطُ	211	43	22	5	9	5
یَا کَبِیۡرَ الۡمُتَعَال	192	29	20	13	8	4
سَلَامُ قَوۡلًا مِّنۡ رَّبٍ رَّحِیۡمٍ	180	36	18	12	8	4
یَا بَدِیۡعَ الۡعَجَائِبِ بِالۡخَیۡرِ	181	37	19	13	8	4
یا اَرۡحَمَ الرَّاحِمِیۡن	181	37	19	13	8	4
یَا اَللّٰهُ یَا رَحۡمٰنُ	1141	229	115	77	46	23

دعا

صلوٰۃ الخوف						
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدَنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ صَلٰوۃً تَکُوْنُ لَنَا اَمَانًا مِّنْ کُلِّ خَوْفٍ ۞	182	37	19	13	8	4
سورۃ فاتحہ (الحمد شریف)	1	1	1	1	1	1

اورادشریف کے آداب

فرمایا: تمام مسلمان خصوصاً اہل طریقت اصحاب اکلِ حلال اور صدقِ مقال پر پورے پورے کاربند رہ کر اسوۂ حسنہ جناب رسول کریم ﷺ کی مکمل پیروی کریں اور نسبت رسولی ﷺ حاصل کریں۔ آنحضرت ﷺ کے اصحابِ کبار اور صلحائے امت کے نقشِ قدم پر چلیں اور قرآن کریم وحدیث شریف پر عمل پیرا ہو کر مالک الملک وحدہٗ لاشریک لہٗ کے عشق ومحبت میں سرشار ہو جائیں اور اس طرح قربِ الٰہی اور معرفتِ حق کی نعمات لازوال حاصل کریں۔

ہر جگہ برادران طریقت باہمی الفت ومحبت کا رابطہ قائم رکھیں اور جماعتی صورت میں حلقہ ہائے ذکر وفکر قائم کر کے اپنے سلسلۂ نسبت رسولی ﷺ کے اورادنظیریہ شریف کے اذکار واشغال کا سلسلہ جاری رکھیں اور دین اسلام اور تمام برادران طریقت کی خدمت کو اپنی زندگی کا نصب العین اور فرض سمجھ کر صحیح مسلمانی کا درجہ حاصل کریں اور عنداللہ ماجور ہوں۔

یہ نہایت ضروری اور مقدم امر ہے کہ کلمات اسماء الحسنیٰ اور ادعیہ کے الفاظ صحیح طور پر پڑھنا سیکھ لیا جائے اور اگر حلقہ میں کوئی نووارد بھائی شامل ہو تو اس کی لفظی غلطی کی اصلاح اور درستی تربیت یافتہ اصحاب کر دیں۔

حلقہ میں دوزانوں ہو کر بیٹھیں لیکن بصورت عذر چارزانو بھی بیٹھ سکتے ہیں۔

اورادشریف پڑھتے وقت کسی قسم کی گفتگو وغیرہ نہیں کرنی چاہیے اور نہ ہی اشارات وغیرہ ہونے چاہئیں بلکہ نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ اذکار جاری رکھے جائیں۔

دعا کے وقت اپنی شرعاً جائز حاجات کو دل میں رکھ کر آمین آمین کہتے جائیں۔ آواز متوسط ہو نہ زیادہ بلند اور نہ ہی زیادہ پست۔

مراقبہ کے وقت آنکھیں بند کر کے دل سے اسم ذات پڑھنا شروع کریں اور اپنے قلوب کو خیالات ماسویٰ اللہ سے خالی اور پاک کر کے ذاتی نور کی طرف متوجہ ہو کر اسی نور میں محو ہو جائیں۔

تصفیہ قلب

فرمایا: ایک مولوی صاحب جو علما کے نمائندے ہو کر میرے پاس آئے اور بہت سے مسائل بیان کئے۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ اگر کنوئیں میں کتا گر جائے تو کس قدر پانی نکالنے سے کنوئیں کی صفائی ہو جاتی ہے؟ مولوی صاحب نے فرمایا کہ دو سو پانی کی بالٹیاں نکالی جائیں تو کنواں صاف ہو جاتا ہے۔ میں نے پوچھا کہ اگر کتا کنوئیں میں ہی رہ جائے تو پھر کیا کرنا چاہیے؟ مولوی صاحب خاموش ہو گئے۔ پیر صاحب نے فرمایا جب تک کنوئیں سے پہلے کتا نکال کر باہر نہ کیا جائے کنوئیں کی صفائی نہیں ہو سکتی خواہ کتنا ہی پانی نکالا جائے۔

فرمایا: یہی حال صفائیِ قلب کا ہے۔ جب تک اس کے اندر کا کتا نہیں نکالا جاتا یعنی جب تک بے جا خواہشاتِ نفس کو مغلوب نہیں کیا جاتا قلب کی صفائی نہیں ہو سکتی اور اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب نہیں ہوتا۔

فرمایا: تفاوتِ قلبی (یعنی کیفیت دل کا جدا جدا ہونا) ایک فطری امر ہے۔ باوجودیکہ حضرت ابو ہریرہؓ و دیگر اصحاب رسولﷺ نے پوری پوری رفاقت کی مگر وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ کے درجات کو نہ پہنچ سکے۔ یہی حال ہر زمانے میں ہر گروہ کا ہے۔

فرمایا: ایک دفعہ راولپنڈی سے ہم تین ساتھی بذریعہ کار موہڑہ شریف آ رہے تھے چلتے چلتے کار کھڑی ہو گئی۔ ڈرائیور کافی کوشش کرتا رہا مگر کار نہ چلی وہ کار سے نیچے اترا اور انجن کو دیکھتا رہا اور اس کے پرزوں کو چیک کرتا رہا آخر اس نے ایک پرزے کو کھولا اور اسے صاف کیا اور کار کو چلایا وہ چل پڑی۔ میں نے پوچھا کیا خرابی تھی؟ اس نے بتایا کہ ایک چھوٹا سا پرزہ (Jet) ہوتا ہے اس میں کچرا آ گیا تھا جس کی وجہ سے پٹرول رک گیا تھا۔ میں نے اسے کھول کر صاف کیا ہے جس سے پٹرول جاری ہو گیا اور کار چل پڑی۔ اس کی یہ بات سن کر مجھے معاً خیال آیا کہ اس چھوٹے سے پرزے (Jet) میں معمولی خرابی کی وجہ سے اتنی بڑی کار کا سارا نظام معطل ہو گیا۔ نہ اس کے پہیوں نے کام کیا نہ اس کی باڈی اور نہ اس کی سیٹیں کام آئیں اور نہ ہی انجن کام آیا۔ جب اس چھوٹے سے پرزے کی خرابی دور ہوئی تو کار رواں دواں چل پڑی۔

فرمایا: یہی حال قلب انسانی کا ہے جو جسم میں خون کا محض ایک چھوٹا سا لوتھڑا ہے اگر اس میں نقص اور خرابی پیدا ہو جائے تو اس کی ساری ہیئت کذائی خراب ہو جاتی ہے لہذا ضرورت ہے کہ اس لوتھڑے (یعنی قلب) کی صفائی کی جائے۔